مضامین رموزی

مصنفہ

ملا رموزی

۱۳۵۰ھ

پبلشرز

عتیق الرحمٰن ذکر الرحمٰن تاجران کتب متصل چوک ڈاکخانہ بھوپال

پہلی بار

فہرست مضامین رموزی

مقدمہ

(ایک نجومی کے قلم سے)

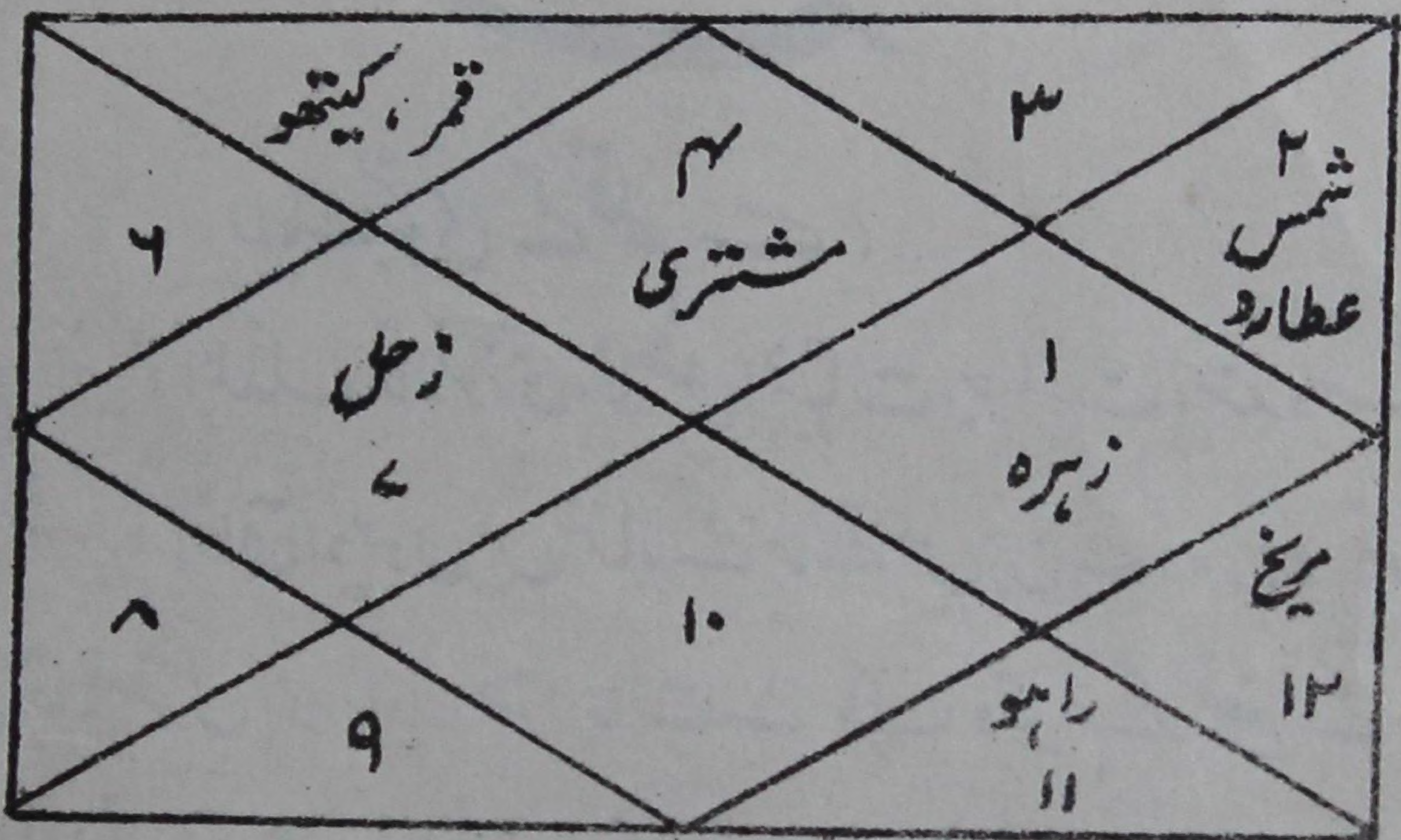
ضیاء الملک ملّا رموزی، فاضل الہیات، جرنلسٹ، ہندوستان کے اُن شہرۂ آفاق ادیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کے دماغ و قلم کی اچھوتی قابلیتوں اور نادر اختراعات نے ملک و قوم کے نفع کے ساتھ ساتھ زبان اُردو کو بھی بے مثال ذخائر ادب بہم پہنچائے، اس لئے سارے ہندوستان میں ایک ممتاز شہرت و عزت رکھنے والے ادیب کے کلام پر لکھنے والے کو بھی کچھ ہونا چاہیئے

اس لئے میں نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خود ملّا صاحب سے بعض سوالات کئے، مثلاً:۔

"بتائیے کہ آپ شعر و مضمون میں اپنے طے کردہ عنوان کے تمام عقلی و فطری

اور واقعاتی اجزا اور ان کی باریک سے باریک تفصیل کو دماغ میں کس طرح جمع کر لیتے ہیں" وغیرہ

چونکہ ملا صاحب کو علم تھا کہ میں علم نجوم سے شغف رکھتا ہوں اس لئے ملا صاحب نے بجائے جوابات کے اپنا پیدائشی زائچہ بھیج دیا جو یہ ہے



حکمائے نجوم کا عقیدہ ہے کہ انسان کی زندگی کے نشیب و فراز میں ستاروں کو خدائے جہان آفریں ہی نے تاثیرات عطا فرمائی ہیں اس لئے ان کا حساب صحیح ہے،

لہٰذا جوتش کی اصطلاح میں ملا صاحب کا یہ بلندیاں اور رنگینیاں لئے ہوئے زائچہ "راج یوگی" زائچہ مانا جاتا ہے، مشتری سا سعد اکبر ستارہ

ان کا طالع ہے جو عقل عالی، جودت، ندرت، نکتہ آفرینی، وسعت علم ونظر، فطرت آگاہی، سیادت وسیاست اور نظم مملکت داری کے ارفع واعلیٰ سلیقے پیش کرتاہے اور متناسب الاعضاء دُبلا پتلا مگر بلا کا چُست وچاق جسم اور حُسن نظر، اسی لئے ملّا رموزی کا رجحان قلم ہمیشہ سیاست رہا ہے، جو گویا ان کا پیدائیشی موضوع قلم ہے،

زحل ان کے چوتھے خانہ میں قوی تر ہو کر بیٹھاہے، اس لئے زمین مکانات، باغات، خدام، شاہانہ رنگینیاں، حُسن تقریر اور شدت بیان و خطاب نذر کرنے کا ذمہ دار ہے، اسی لئے ملّا رموزی کی شاعری، تحریر وتقریر اور گفتگو میں جلال وشدت اور مزاج ونظر میں نخوت وتمکنت موجود ملتی ہے،

اُن کے خانۂ حکومت میں زہرہ ایسا رنگین ستارہ ہے جو شعر وشراب سی خسروانہ لطافتوں سے ربط ورشتہ اور حسن کمال کی سرافرازیاں تحفۃً لاتا ہے، اسی لئے برسوں نثر کا کام کرتے کرتے اچانک ملّا رموزی نے شاعری شروع کی اور غزل کے قدیم اصول وضوابط کو منسوخ کرکے جن شاہانہ جوانیوں والی غزل کے دو دیوان مرتب کردیئے وہ زبان اُردو کا لائقِ فخر سرمایہ مانے جائیں گے،

ان کا مریخ اور آفتاب بھی جوان ہے جو عالمگیر شہرت اور طاقت پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، اسی لئے نہیں کہا جا سکتا کہ ملّا رموزی کی دماغی بلندیوں کا مستقبل ابھی اور کتنا بلند و معزز ہو گا؟

ایجاد و ندرت

فطرت انسانی جدت پسند ہے، اُردو میں وہی لوگ رتبۂ عالی پا سکے جنہوں نے کسی خاص تحقیق یا اچھوتی صلاحیت کو پیش کیا، ملّا رموزی بھی اُن ہی فاضل روزگار ہستیوں میں ہیں جنہوں نے بیان و کلام کے نادر طریقے ایجاد کئے، گلابی اُردو کا طرز تحریر اب اُن ہی کی ایجاد کے نام سے منسوب ہو چکا ہے، اور وہ اس کے موجد تسلیم کر لئے گئے، اس طرز خاص کے بعد انہوں نے روزمرّہ اور مروّجہ اُردو میں لکھنا شروع کیا، اور کمال قابلیت سے اس طرز کو بھی طرز خاص منوا کر چھوڑا، اس کے بعد انہوں نے شعر کی ابتدا کی اور اس شعبۂ ادب میں بھی وہ طرز خاص کے امام ہو کر رہے،

پس ان تمام اسالیب کی روح اصل میں اُن کے دماغ و نظر کی وہ برقی رو

ہے جو ہر مسئلہ کی آخری گہرائی تک اس کمال جودت سے پہنچ جاتی ہے کہ ہر صاحب بصیرت انسان حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے، پھر تحقیق و احساس کی اس ہمہ گیر قوت سے وہ جس چیز کو منظر عام پر لاتے ہیں اس کے بیان کا سلیقہ اس درجہ فطری اور لطیف ہوتا ہے کہ پڑھنے والا محو حیرت ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور یہ دولت اُن کے ہاں اس درجہ بہتات اور کثرت سے ہے گویا کسی اہم سے اہم مسئلہ کو اپنی صحیح اور فطری حیثیت سے بیان کر دینا اُن کے لئے دشوار ہی نہیں،

ندرت بیان کا یہ عالم ہے کہ جن باتوں کے بیان کرنے پر قانون و اخلاق کی شدید بندشیں اور سزائیں مقرر ہیں وہ ان ہی چیزوں پر اس اچھوتے انداز سے سب کچھ کہہ گذرتے ہیں کہ قانون اور دشمن بھی مسکرانے پر مجبور ہو جاتا ہے، سیاست ایسے خوفناک موضوع پر تیز تر تبصروں اور طوفانی تنقیدوں میں ملّا رموزی ہی کا دماغ خاص ہے،

ظرافت و سیاست

ملّا رموزی کے اُن تبصرہ نگاروں نے بڑی زبردست ٹھوکر کھائی ہے

جنہوں نے ملا رموزی کو موجودہ عہد کے دوسرے ظرافت نگاروں کے مقابلہ
میں پیش کیا ہے، حالانکہ ملا رموزی اپنے طرز تحریر اور مضامین کے اعتبار سے ساری اردو
دنیا میں سب سے الگ ہیں یعنی اردو میں وہ ایک "سیاسی مزاح نگار" ہیں اور اس اعتبار
سے ان کا ایک بھی ہمعصر نہیں، ملا رموزی نے آنکھ کھولی تو سیاسی ظرافت میں، اور
جوان ہوئے تو سیاسی میدان میں، ان کے مضامین اور نظمیں غرض جو بھی ہے سب کچھ
سیاسی ہے اور دوسروں کی ظرافت میں صرف تمدنی اور اخلاقی اصلاحی ظرافت، اب سیاسی
میدان کیلئے ۲ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ لکھنے والا خود نہایت زیرک، دانشمند
مدبر اور وسیع العلم ہو، دوسرے یہ کہ وہ قید و بند اور سزا و عقوبت کے برداشت
کر لینے کی جرأت رکھتا ہو، لہٰذا اس لحاظ سے ملا رموزی اپنے وقت کے سارے مزاح نگاروں
کو اپنے پیچھے چھوڑ چکے ہیں، اور وقت کے وہی سب سے کامیاب سیاسی مزاح نگار ہیں
اب رہی ظرافت تو اس کے لئے میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ ملا رموزی کے مضامین میں ظرافت
نہیں بلکہ کہیں کہیں لطافت ہے جس کو بالغ نظر اور سیاست آگاہ حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں
البتہ لطافت ان کے ہاں فطری ہے اس لئے اسکی بہتات اور کثرت ضرور ہے، لیکن
اس کمال کیساتھ کہ وہ عریاں سے عریاں مقامات میں بھی اشارات کی جان بن جاتی
ہے مگر رواجی اور بازاری ظرافت نہیں ہوتی، اور یہی چیز ان کے ادبی کمال

کو بلند و خاص کرتی ہے۔

وسعتِ نظر

ایک حاکم اور اخبار نویس میں اپنے زیر اثر اور مخاطب طبقات کا مکمّل علم و اندازہ بے حد ضروری چیز ہے، ملّا رموزی میں یہ ملکہ غایت درجہ کی تکمیل لئے ہوئے ہے، وہ جس جماعت کے کردار کو بیان کرتے ہیں اُس کے تمام اجزار بلکہ اجزار کے اجزار بھی اس روانی سے بیان کرتے ہیں گویا یہ تمام واقعات ان ہی کی ذات سے وابستہ اور متعلق ہیں، چنانچہ جب موصوف نے عورتوں کی گھریلو زندگی کی اصلاح کے موضوع کو اختیار کیا تو اس وقت وہ خود غیر شادی شدہ تھے، لیکن انھوں نے "ننھے میاں" کی والدہ کے فرضی کردار اور نام سے عورتوں کی گھریلو زندگی کے جو مکمّل خاکے پیش کر دیئے وہ ان کی وسعتِ نظر کے تحسین آفرین نمونے ہیں،

انھوں نے ریل کے سفر میں تیسرے درجہ کے مسافروں کی تکالیف کے جو نقشے پیش کئے وہ اس درجہ صحیح اور کامل قسم کے نقشے ہیں کہ پڑھتے ہی تیسرے درجہ کے مسافر سامنے آجاتے ہیں،

انہوں نے اسی کتاب میں فصلی بخار، بارش کے نقصانات وغیرہ میں غریب طبقات کے جو وسیع تر حالات بیان کئے ہیں اُن سے یقین ہوتا ہے کہ وہ عوام کی زندگی کے ہر جزو سے اس درجہ باخبر ہیں گویا ان کا تمام وقت ایسے ہی حالات کے مطالعہ میں گذرتا ہے،

انہوں نے طبقۂ اعلیٰ کے مغرب زدہ نوجوان لڑکوں لڑکیوں اور ذی اقتدار لوگوں کے جو کردار اور حلیئے پیش کئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عوام کے مقابل خواص کے حالات اور واقعات سے بہت زیادہ باخبر ہیں، پھر اس دریا دریا وسعت علم و نظر کے ساتھ ساتھ ہر کردار میں وہ جو سلیقۂ بیان اور اس میں جن اہم اور نازک واردات کو بیان کر جاتے ہیں، اس کی ندرت و رنگینی ہی نے اُن کو سارے ہندوستان میں ایک معزز و ممتاز شہرت کا مالک بنا دیا،

معنی آفرینی

ملا رموزی کے اس کمال کا اقرار سارے ہندوستان کو ہے کہ وہ حقیر اور پیش پا افتادہ واردات و واقعات سے بھی ایسے اہم نتائج

اور اثرات پیدا کر دیتے ہیں جن کو خواص تک محسوس نہیں کرتے، مگر وہ اس کمال جامعیت سے ہر حادثے، واقعے اور معاملہ کو بھانپ لیتے ہیں اور ایسے معنی پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کی اس معنی آفرینی سے انکار نہیں کر سکتا اور ان کا یہ کمال اصل میں ان کی وسعت نظر، وسعت علم اور فلسفیانہ قوت و استعداد کا اثر ہے، چنانچہ اُن کے ایسے بے شمار تبصرے اور مقالے ہیں جن میں ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے بڑے معنی اور اہم نتائج سے بحث کی گئی ہے،

نکتہ آفرینی اور بات سے بات پیدا کرنے کا سلیقہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو نفسیات انسانی اور عام و خاص حالات سے کماحقہ واقف ہو، اور یہ شرف خدا نے ملا رموزی کو بدرجہ اعلیٰ عطا فرمایا ہے، چنانچہ حال ہی میں انہوں نے "نفسیات عشق" کے نام سے عورت مرد کی محبت اور جنسی تعلقات پر جو معرکۃ الآراء کتاب لکھی ہے اور اس میں عورت مرد کے عشق و اتحاد پر جس بے نظیر تحقیق کو پیش کیا ہے وہ مزید ثبوت ہے اُن کے نکتہ دان اور نکتہ آفرین صاحب قلم ہونے کا، پس ان کی اس صلاحیت کا ایک اثر یہ ہے کہ

زبان اُردو اُن کے قلم سے ایک لاجواب اضافہ اور وسعت پا رہی ہے کیونکہ ان کی معنی آفرین انشا میں الفاظ کا اُتار چڑھاؤ اور جدت زبان کی وسعت کی ضامن ہے،

طرزِ ادا

ایک خطیب اور ایک ممتاز ادیب اسی وقت مقبول و محترم ہو سکتا ہے جب اس کے بیان و کلام کا طرز عوام سے ہٹ کر بے حد خاص اور ساتھ ہی مقبول و پسندیدہ ہو، ظاہر ہے کہ طرز ادا کے معاملہ میں ملّا رموزی نے قابل رشک شہرت و تخصیص حاصل کر لی ہے، یعنی وہ جس مقصد کو بیان کرتے ہیں اس کو گفتگو کی عام عادت اور فطرت کے موافق کبھی بیان نہیں کرتے بلکہ ایک ایسا نادر انداز بیان اختیار اور ایجاد کرتے ہیں جس سے قاری اور سامع صرف طرز ادا ہی میں کھو جاتا ہے، مثلاً وہ ایک موضوع کو شروع کر کے دانستہ طور پر اس طرح بہک جاتے ہیں گویا اب وہ اصل موضوع ہی کو بھول گئے، لیکن وہ اس درمیان میں بے شمار ضروری اور قیمتی باتیں جلد جلد کہکر پھر اصل موضوع پر

اس طرح کہنے لگتے ہیں کہ دماغ بے ساختہ آفرین کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے،

بلاغت و اشارہ

اُن کے بیان و کلام کی ایک بیتاب کر دینے والی قابلیت ان کی بلاغت و اشارہ نگاری ہے، اگرچہ بلاغت و اشارہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو کلام و بیان کو مہمل اور بعید الفہم بنا کر پڑھنے والے کے دماغ کو تھکاتی ہے، اور پڑھنے والا ایسی ادق اور گنجلک لئے ہوئے عبارت کے مطلب کو سمجھنے میں کافی غور و فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن ملا رموزی کے مضامین ایک ایسی بلاغت اور ایسے اشارات کے حامل ہیں جن کو پڑھیئے اور وجد کیجیئے خصوصاً بین الاقوامی سیاسیات میں ان کے ایسے بے اندازہ اشارے ہیں جو دلوں کو تڑپاتے ہیں اور قاری کو ایک ایسا اہم مفہوم سمجھا جاتے ہیں جو ادق انداز بیان سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

اہم سے اہم مطالب و واقعات کی طرف سے ذہن کو منتقل کر دینے کے لئے ان کا معمولی سا اشارہ بہت کافی ہوا کرتا ہے اور یہ قدرت ان کی جودت طبع کا کمال ہے جو پڑھنے والوں کے حق میں جادو کا اثر کرتا ہے،

"شہر کے شکار" یا "مشاعرہ" کے عنوان سے جو مضامین اس کتاب میں ہیں اُن میں ایسے سینکڑوں اشارات ہیں جو بڑے واقعات، اہم تفصیلات اور نادر حالات کے آئینہ دار ہیں، لیکن ملّا رموزی ان کو اس طرح بیان کرتے گئے ہیں گویا ان کے سامنے یہ واقعات پہلے ہی ہاتھ باندھے کھڑے تھے، موصوف کا یہ وہ کمالِ قلم ہے جس پر انہوں نے تمام اُونچے علمی طبقات سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے،

خاکہ کشی

اپنے گھر میں بیٹھ کر افراد و اشخاص اور حالات و واقعات کی کامل و اکمل تصویر کھینچ دینا اور اس درجہ مکمل تصویر کہ اصل و نقل میں فرق نہ رہے کوئی مذاق نہیں، شک نہیں کہ اُردو میں کردار نگاری بعض اہلِ قلم نے کی ہے، لیکن اس اہم حصۂ انشاء کی جو تکمیل ملّا رموزی کے قلم نے کی ہے اس کی لاجوابی کے اعتراف و اقرار میں دوست تو دوست ان کے دشمن تک شریک ہیں، ملّا رموزی نے کردار نگاری اور خاکہ کشی میں وہ عامیانہ اور غیر طبعی یا مصنوعی انداز اختیار نہیں کیا جو اُردو کے عام ڈراموں، افسانوں

اور بعض مکالموں میں ملتا ہے، بلکہ انہوں نے خاکہ کشی کے لئے چند فرضی نام اور القاب وضع کئے، مثلاً گلابی اردو میں وہ لائیڈ جارج مشہور برطانوی وزیر اعظم کو اپنا شاگرد رشید ظاہر کر کے اس کے منہ سے بین الاقوامی سیاسیات پر جو گرانمایہ تبصرے لکھ چکے ہیں ان کو صرف سیاسی اصحاب فکر و عمل ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام کے بس کی بات نہیں کہ وہ ان سیاسی رموز و افکار کے اشارات تک کو سمجھ سکیں۔

گھریلو زندگی اور اصلاح اخلاق و معاشرت کے لئے انہوں نے دوسرا کردار "بیوی نمبر ایک" "ناچار" کے نام سے شروع کیا اور ان ناموں سے انہوں نے جو ذخیرۂ اصلاح و ہدایت پیش کیا اس کی اہمیت اور ندرت انشار کو صرف متبحر اور وسیع العلم طبقات ہی سمجھ سکتے ہیں،

غریب طبقات کی ملکھتی زندگی کے جزئیات لکھنے میں ان کو جو بلند و مخصوص مقدرت حاصل ہے اس کے ثبوت میں ان کی مقبول ترین کتاب "عورت ذات" موجود ہے، جو سیرت نگاری اور کردار نویسی کی عظیم الشان اور حیرت انگیز کتاب ہے، اس کردار کیلئے انہوں نے خود کو اس طرح پیش کیا گویا واقعی وہی غریب ہیں اور بے حد مصیبت زدہ، لیکن یہ امر حقیقت ہے کہ

انہوں نے مزدوروں اور غریبوں کے جو کردار لکھ دیئے ہیں اور جن طبقات کے جو خاکے پیش کر دیئے ہیں وہ خطِ قسمت ہی بن کر رہ گئے ہیں اور کسی میں ہمت نہیں جو ملا رموزی کے لکھے ہوئے خاکوں کو مصنوعی یا غیر طبعی کہہ سکے، اسی کتاب میں بارش کے فرضی وفد کو انہوں نے غربا کی طرف سے جو سپاسنامہ پیش کیا ہے اور سپاسنامہ کی مروجہ اصطلاحات میں انہوں نے مزدور اور غریب طبقات کی جو کامل زندگی دکھائی ہے اس کی جامعیت، اصلیت واقفیت اور طرز ادا کی داد حقیقت یہ ہے کہ صرف یورپ ہی کی ذی علم قومیں دے سکتی ہیں، وہ کیا خاک سمجھیں گے جو خود علم و مصائب کی زندگی سے کوسوں دور ہیں،

اسی طرح "شیر کے شکار" میں ایک ذی علم شخص کے کردار کو جس فطری بیساختگی سے وہ دکھائے گئے ہیں نفسیات کا ماہر ہی اس کی قیمت کو پہچان سکتا ہے، یہی حال "طوفان، بغاوت، اور شکایت" نام کے مضامین کا ہے

وطن دوستی

عہد حاضر میں "وطن دوستی" یا "حُبِ وطن" سے مراد سیاسی تحریکات

حقوق طلبی، یا سیاسی جد و جہد میں حصّہ لینے کے معنی ہیں، یا ایسی تجاویز اور ہمدردیوں کا اظہار جس سے ملک غیر کے اثرات سے پاک ہو، لیکن ملّا رموزی وطنیت کے محدود دائرے سے بہت آگے رہے ہیں اور حیرت ہے کہ خود ایک تاریک تر اور محدود دائرے میں زندگی گذارنے والا اتنا وسیع القلب اور وسیع الفکر اہلِ قلم کیونکر بن گیا، مگر یہ اثر بھی اُن کے ستارۂ مشتری کا ہے جو وسعت علم و نظر کا ضامن ہے، اسی لئے ملّا رموزی کا نظریۂ اصلاح و خدمت وطنیت کے محدود دائرہ سے بڑھ کر دُنیا کے تمام انسانوں کی خدمت و ہمدردی ہے، چنانچہ انہوں نے سنہ ۱۹۲۳ء میں ترکوں کی مظلومیت پر جس طرح طویل ترین مقالات شایع کئے اسی طرح سنہ ۱۹۲۴ء میں مظلومین ریف کے لئے انہوں نے پُرجوش سلسلۂ مضامین جاری رکھا،

سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۹۳۹ء تک انہوں نے ملک چین کے باشندوں کی حمایت میں کافی سے زیادہ لکھا، اور سنہ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے فن لینڈ، ہالینڈ، پولینڈ، ناروے، بلجیم اور فرانس و انگلستان کی بیچارگی پر جس کمال شدّت سے نظمیں اور مضامین لکھے وہ اخبارات و رسائل میں ابدالآباد تک محفوظ رہ کر بتائیں گے کہ ملّا رموزی کس درجہ وسیع العلم اور

فیاض فطرت انسان ہیں، اندرون ہندوستان ہندو مسلم اتحاد پر توان کے مضامین کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ ۱۹۳۱ء میں شمالی ہندوستان گئے اور ۱۹۳۲ء میں ولایات متوسط تو اُن کے معزز و ممتاز میزبانوں میں ذی عزت ہندو مسلمان رؤساء و امراء اور عوام یکساں اور برابر کے شریک تھے، اور آج بھی وہ اپنی وسعت قلب کے اثر سے ہر طبقہ اور ہر حلقہ میں مقبول و معزز ہیں،

اب رہ گیا ہندوستان کی سیاسی تحریک میں ان کی قلمی خدمات اور ان کی سیاسی فراست و بصیرت کا اندازہ، سو اس کے لئے علامہ کفایت اللہ مفتی اعظم ایسی با اثر شخصیت اور ایک سیاسی اسیر قید و بند کے ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

"ملا رموزی کے مضامین سے حُبِ وطن اور شوق آزادی
کی خوشبو آتی ہے،
جب تحریکات وطنیہ کامیاب ہونگی اسوقت کا مورخ سرکردہ
زعماء کے کارناموں کو لکھتے وقت ملا رموزی کے آثار
قلم کو کبھی فراموش نہ کر سکیگا"

یہ وہ آراء ہیں جو ملّا رموزی کے ظریف معاصرین حاصل نہ کر سکے محض اس لئے کہ دُوسرے ظریفوں کو بیباکیانہ ایسے منزاد عفوبت والے میدان میں قدم دھرنے کا حوصلہ نہ ہوا، اور اگر حوصلہ بھی تھا تو ملّا رموزی ایسی نڈر، بیباک، اور ہر شدّت کو مسکرا کر برداشت کر لینے کی جرأت کہاں، اسی لئے ملّا رموزی کے اکثر ساتھی صرف تفریحی مضامین اور ماہوار رسالوں تک رہے، مگر ملّا رموزی چوٹی سے چوٹی کے انتہا پسند اخباروں کے روحِ رواں، یعنی وہ سیاسی مزاح نگار ہیں نہ کہ صرف مزاح نگار،

آخر میں ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ ملّا رموزی کو خدائے فیّاض نے جو زائچہ عطا فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملّا رموزی کے دماغ و مرتبہ کا مستقبل بے حد بلند و برتر اور زندۂ جاوید ہو گا انشاء اللہ۔

۷۔ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

نجومی

فلیمنگ روڈ، لاہور

مضامین رموزی

طوفان

اس مضمون کا حق تصنیف میرے دونوں لڑکوں شوکت طوفانی
اور خالد طوفانی کے لئے خاص ہے ؏
گر کسے نقل کند باطل گردد!

"طوفان" اصل میں اس کتاب کا نام ہے جو میں "وصایائے
رموزی" کے طور پر اپنے بال بچّوں کے لئے لکھ رہا ہوں کہ سند ہو اور وقت
ضرورت کام آئے، اس میں بعض حصّے ایسے بھی ہیں جو کتاب کی "مولویت"

کو دُور کر کے اس کو قدرے شگفتہ بناتے ہیں۔

طوفان کی بیشمار اقسام میں سے "طوفان بدتمیزی" بہت عام قسم کا طوفان ہے جو پبلک جلسوں میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ

"روشنی کے سامنے آیئے روشنی کیجے"۔

"ذرا زور سے بولئے زور سے"۔

"صورت نظر نہیں آتی صورت"۔

"بٹھادو، بٹھادو، الگ کرو الگ، بھگادو، ہم ان کی تقریر نہیں سُنتے"۔

"لعنت، لعنت"۔

"ابے چُپ او کھُوسٹ"۔

"مولانا ابوالکلام کو کھڑا کیجئے، ان کی نہیں سُنتے"۔

"منظور، منظور"۔

"اماں چُپ تو رہو سننے بھی دوگے کہ چلے جائیں"۔

"بس ۲ دو منٹ اور"۔

"شانتی شانتی بھائیو کھموس کھموس"۔

اختلاف، ناراضی، آوازے، دھول دھپّا، ہٹر بو ٹنگ، تاریکی، ضیا کارو

کی خوشامد، پولیس لاٹھی چارج، گرفتاریاں، اینٹ پتھر، سوڈے کی بوتلیں، تیزاب، مقدمات، سزائیں، معافیاں،

یہ وہ طوفان ہے جو پبلک جلسوں میں اٹھایا جاتا ہے یا اٹھ کھڑا ہوتا ہے،

دوسرا طوفان بدتمیزی اس اختلاف کو کہہ سکتے ہیں جو قوم کے اہم اور سنجیدہ تر مسائل کو چھوڑ کر مغربی مسائل پر اخباروں میں مضامین پر مضامین بن کر شایع ہوتا ہے، مثلاً شیعہ سنی، اہل حدیث، وہابی، قادیانی، مسجد شہید گنج، کانگریس اور ہندو مہاسبھا، شدھی، تبلیغ، مسلمان لڑکی کا ہندو کیساتھ فرار، اور ان کے لئے ہندو مسلمانوں کا گتھ جانا،

تیسرا طوفان بدتمیزی تھیئٹروں اور سنیما کے تماشوں میں خوبصورت گانے والیوں اور کامیاب مسخروں کو دوبارہ تشریف لانے کے لئے سیٹیوں، تالیوں اور ذلیل آوازوں سے اٹھایا جاتا ہے،

چوتھا طوفان بدتمیزی اگر تھوڑی سی شراب نصیب ہوجائے تو دیہاتی مسایل یا اچھوت قسم کی چھوٹی جماعتوں کی ان پنچایتوں میں بھی نظر آجاتا ہے جو روشنی اور فرش بغیر کسی پیپل کے درخت کے نیچے یا کھلے میدان یا سڑک کے

کنارے اجلاس فرماتی ہیں، ایسی پنچائتوں میں ضروری نہیں ہے کہ فساد اور اختلاف کا طوفان صدر جلسہ ہی کی طرف سے اٹھایا جائے، بلکہ اس میں شراب کے نشہ کی مقدار زیادہ کام دیتی ہے، مثلاً جس کے سر پر جتنا نشہ سوار ہو طوفان کی ابتدا اسی سے ہو جاتی ہے، پھر اس کی ضرورت نہیں کہ سخت و سست کہنے والے کا روئے خطاب اصل مخاطب ہی تک رہے، بلکہ آن کی آن میں وہ ہر چہار سمت گالیاں ارسال کرنے لگتا ہے، خاص بات یہ ہوتی ہے کہ ایسی پنچایت کا صدر پولیس طلب کرنے کے عوض خود بھی فحش بن جاتا ہے اور پنچایت اس مصرع پر برخاست نظر آتی ہے کہ ع

نشستند و گفتند و برخاستند!

یا پھر تمام پنچوں کے ساتھ کسی کو توالی میں،

پانچواں طوفان بدتمیزی دنگل، ہاکی، فٹ بال، گھوڑ دوڑ، اور مرغ اور تیتر کے مقابلوں میں بغیر کسی خاص اعلان کے اٹھا دیا جاتا ہے اور ایسے مقابلوں کی تو تو میں میں کا حشر بھی بعض اوقات فساد، زخمی، موت، پولیس اور عدالتوں تک پہنچتا ہے،

چھٹا طوفان بدتمیزی، ریل گاڑی آنے پر تیسرے درجہ کے مسافروں

جا پہنچتا ہے،

ساتواں طوفان چھوٹے درجہ کے دو دو برابر کے مکانوں کی عورتوں سے شروع ہوتا ہے، جو محلّہ میں لڑنے والے چھوٹے بچّوں کی ہمدردی اور حمایت میں ہوتا ہے، اور اس میں بعض عورتیں چھوٹے بچّوں کو گود میں لئے ہوئے دروازوں سے آدھی باہر لٹک کر یا دیواروں پر چڑھ کر کام کرتی ہیں اس وقت ان کی زبان قینچی اور ہاتھ پنکھے کا کام کرتے ہیں، اُن کے زبانی طوفان میں اُن کے چھوٹے بچّے آندھی کے جھونکوں کا کام کرتے ہیں مثلاً:-

"میری آپا کو گالی دیگی تو مُنہ توڑ ڈالوں گا تیرا۔"

"ہاں چچی بی اس لئے گھر میں بُلا کر میرے طمانچے مارے تھے۔"

"اب مار تو پھر بتاؤں تجھ کو۔"

بعض اوقات یہ طوفان بھی پولیس تک جاتا ہے، اور محلّہ کے بزرگوں کے روکنے پر مشکل سے رُکتا ہے،

آٹھواں طوفان بدتمیزی صرف اُن مکانوں میں نظر آتا ہے جن میں انسانوں سے زیادہ مرغا مرغی اور بکرا بکری ہوتے ہیں، جب یہ گھر میں آتے

میں یُوں نظر آتا ہے کہ تیری لاٹھی کی نوک میری آنکھ میں اور میری گٹھری تیری ناک کی نوک پر، میری شیروانی کلدامن تیرے بستر میں لپٹ کر درجہ میں سوار، اور تیرے برقعہ کا دامن میں اُلجھا کر ڈبہ کے اندر، تیرا صندوق میرے پاؤں پر اور میرے ناشتہ دان کا شوربہ تیرے پاجامہ پر، پھر اتنا ہی نہیں بلکہ یہ طوفان ریل کے روانہ ہونے پر بھی اُمنڈتا ہی رہتا ہے اس طرح کہ :-

"بھائی صاحب یہ تو میری نشست ہے، میں بمبئی سے اسی جگہ بیٹھا چلا آرہا ہوں، اور آپ نے میرے چائے پینے کے لئے جاتے ہی اس پر قبضہ جمالیا"۔

"اچھا تو پھر میں آپ کو اس جگہ سے ہٹا کر بتا دوں"۔

"تو خود ہو گا"۔

"ابے ہاں میرے باوا کی ریل ہے، خبیث کہیں کے، دیکھ رہے ہیں آپ سب صاحبان میں کس کس طرح سمجھا رہا ہوں کہ بھائی صاحب اُٹھ جائیے یہ میری جگہ ہے، مگر یہ اپنی افلاطونی سے باز ہی نہیں آتے"۔

"کیا کہا ذرا پھر کہنا، بس خبردار اب کے نہ سُنوں"۔

"ابے تو اور تیرا باوا، دھپ، دھڑام، تڑاق"۔

"زنجیر کھینچ لیجئے زنجیر وغیرہ"۔

ہیں یا گھر میں کھولے جاتے ہیں اس وقت کا منظر طوفان بدتمیزی کی جو حسین صورت سامنے لاتا ہے اس کو غریب گھرانوں کی زندگی کا مطالعہ کئے ہوئے حضرات محسوس کر سکتے ہیں، اس موقع پر ان جانوروں سے گھر کی چیزوں کے بچانے کے لئے جو طوفان پیدا ہوتا ہے اس میں "لڑکیاں" کڑک چمک اور بجلی گرانے کا کام کرتی ہیں،

"ارے توبہ رشید! بھگا، بھگا،"

"ارے مرگئی، وہ میرا دوپٹہ کھا گئی، مار مارہ"

"روک روک، وہ چلی کمبخت"

کِھل کِھل کِھل، قہقہہ،

"ارے توبہ میں تو تھک گئی آپا جان وہ ہاتھ تو آتی نہیں" وغیرہ

طوفان بدتمیزی میں ایک خاص قسم کی بیوی کو نمایاں درجہ حاصل ہے اس کی زد میں اس کا شوہر زیادہ آسکتا ہے، بشرطیکہ وہ بھی کافی نہیں تو بیوی ہی کے برابر بیوقوف ہو،

ایسی "طوفان بیوی" کے لئے دو شرطیں بے حد ضروری ہیں، یا وہ دو درجن بچوں کی ماں ہو چکی ہو یا کم سے کم دق کی قسم کی بڑی بیماری میں سے اب

صحتیاب ہو رہی ہو، مگر مصیبت یہ ہے کہ ہزار میں ایک بیوی کے لئے بھی کوئی علمی اور فلسفیانہ علامت ہی قرار نہیں دی جاسکتی، یہ اسی قسم کی بے پہچان ہوتی ہے جس طرح "زن مرید" کے لئے نہیں طے کیا جاسکتا کہ یہ اپنی عورت کے مقابل اتنا بدھو کیوں واقع ہوا ہے،

ایسی عورت اُس طوفان کا نمونہ ہوتی ہے جو بغیر کڑک چمک کے پانی کی صورت میں اچانک دیہات کو برباد کر دیتا ہے، یہ گھر کے کاموں میں مصروف اور منہمک رہ کر اپنے شوہر کی صورت دیکھتے ہی کسی معمولی واقعہ پر برس پڑتی ہے، اور ہنگامہ آرائی اور اس کی طوفانی چیخوں کا انسداد اسی طرح ممکن ہے کہ اس کا شوہر ایک بچّہ کو گود میں لے کر یہ کہتا ہوا گھر سے باہر چلا جائے کہ

"اچھا نیک بخت جو تیرا جی چاہے کر"

عام طوفانی عورتوں کا زیادہ زور بُوڑھی ساس اور محلّہ کی بعض کمزور عورتوں کے خلاف صرف ہوتا ہے،

"ہاں میں اپنے رشید کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیری بیٹی نے پہلے اس کا قمیص پھاڑا تھا"

"تو اپنے بیٹے کو تو پہلے منع کر میرے بچّوں میں گھسنے سے"

"منع کرے میری جوتی، بے عزت کہیں کی"

"ہاں ہاں آنے دے تیرے یار کو میں بھی تو دیکھوں"

"اری اسی کے ہاتھ تجھے ذلیل نہ کراؤں تو کہنا،۔۔۔۔ کہیں کی"

بعض اوقات ایسی عورت کا دماغی طوفان محلہ کے دو چار گھروں کے مردوں کو بھی لے ڈوبتا ہے:۔

"اماں جانے بھی دو عورتوں کی باتوں پر کیا یقین کرتے ہو"

"بس جانے بھی دو منشی جی صاحب، مجھ کو تو منع کرتے ہو مگر اس سے کچھ نہیں کہتے"

"خدا پاک کی قسم میں گھر سے باہر ہوا نہیں کہ میرے کسی نہ کسی بچہ کو پٹوا دیتی ہے گھر میں بیٹھی"

"ہاں ہاں تو اب گھر سے نکلیں تو تمیس مار خاں، تو میں بتاؤں کہ ایسا ہوتا ہے دوسرے کی بیوی کو گالی دینا"

"ارے دیکھ چکا ہوں دس مرتبہ منشی جی صاحب اس کو، قرآن کی قسم ابھی جائیگا بس تھانے رپٹ لکھانے"

"مرد ہے تو مقابلہ میں آئے"

ممکن ہے کہ ایسی عورت کو جاہل قرار دیکر نظرانداز کردیا جائے، لیکن میری تحقیق سے ثابت ہے کہ اگر اس مزاج کی بیوی کو بی اے پاس کرادیا جائے تو اس کے طوفان میں اتنا ہی فرق آئیگا کہ محلہ میں اس کی آواز نہ سُنی جائیگی لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس کا شوہر اس کے خاموش اور اُنڈے ہوئے طوفان سے محفوظ رہ سکے،

اس کے طوفانی ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے لباس کی تبدیلی اور صفائی میں کمی کردیتی ہے، جس کو نفیس مزاج کا شوہر برداشت نہیں کرسکتا کسی بیماری کے بہانے سے ساتھ کھانا چھوڑ دیتی ہے، تفریحی مشاغل میں حصہ نہیں لیتی، ریڈیو، گراموفون اور سینما سے نفرت کا اظہار کرتی ہے، بچوں پر کافی جھنجلاتی ہے، بے ضرورت بات نہیں کرتی، اور ویسے دیکھنے میں اچھی خاصی بی اے پاس نظر آتی ہے،

اب اگر ایسی طوفانی بیوی کو اُلٹ دیجئے تو یہی نقشہ طوفانی شوہر کا تیار ہوجاتا ہے، البتہ طوفان کی شدت میں بیوی صرف خود کو نوچتی ہے، کھاتی ہے اور صبر کرتی ہے، اور طوفانی شوہر صاحب ایم اے پاس ہو کر بھی بعض اوقات بیوی کو قدرے قلیل ضرب بھی پہنچا کر پُرسکون نہیں ہوتے،

اس قسم کے طوفان کو ہر حال میں طوفان بدتمیزی ہی کہا جا سکتا ہے،

دُوسرا طوفان بدتمیزی فطری ہے، مگر ہے بدتمیز، یعنی بارش سے پہلے "مان سُون" کے نام سے اور ہر وسط بارش میں "سیلاب" کے نام سے جو طوفان آئے اس کی کَل اتنی سیدھی نہیں ہوتی کہ اس کو اونٹ نہ کہہ سکیں بھلا غور کیجیے کہ یہ بھی کوئی "مان سُون پن" ہے کہ تمام دُنیا کا گرد و غبار اور مچھر یا میری آنکھ میں یا آپ کے صاف ستھرے کمرہ کی آرائشی چیزوں پر، رات کو مارے مان سُون کی طوفانی دست بُرد کے نیند حرام اور اُوپر سے جس مسہری پر آرام کیجیے اُس کی چادر کہیں اور دُولائی کہیں، رات بھر محسوس ہوتا ہے کہ مکان کی چھت اُڑانے کے لئے تمام مزدُور زور لگا رہے ہیں، اور ہائے ہائے کر رہے ہیں!

مان سُون کا زور ہو تو سائیکل کو شریفانہ حیثیت سے چلا کر دکھا دیجیے، تو انعام دُوں، بھلا یہ بھی کوئی مان سُون پن ہے کہ ایک راستہ میں یا تو دس مرتبہ سائیکل کی لالٹین روشن کیجیے ورنہ سپاہی کو نام بتائیے، اور چالان میں ٹھیک ایک بجے عدالت میں حاضر ملئے، ورنہ بصورت عدم تعمیل سمن کچھ اور انتظام فرمالیجیے۔

ایک ماں سُونی طوفان سے اُن عورتوں کو بے حد تکلیف پہنچتی ہے،
جو غریب کسی وقت بھی دوپٹہ کو سر سے نیچے نہیں اُترنے دیتی ہیں، مگر ماں سُون
کا زور اُتارتا ہے، بے گندھی ہوئی چوٹی والی لڑکیاں ہوتی ہیں کہ غریب
تھک جاتی ہیں، مارے ماں سُون کے پیشانی پر سے بال ہٹاتے ہٹاتے!

اس کے بعد کڑک چمک کا طوفان ہوتا ہے، جس کے بدتمیز ہونے میں
اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ اس سے بے شمار کمزور دل اور نازک حس کے
مرد و عورت اور بچّے لرزتے ہیں،

اس کے بعد بارش کا وہ طوفان ہے جس کے بعد اخباروں میں آتا ہے
"بازاروں میں کشتیاں چل رہی ہیں، پُل ٹوٹ جانے سے کلکتہ میں
بھوپال ہوکر جا رہا ہے، نہ آب دیہات کی آبادی کو ہوائی جہاز کے ذریعہ
خوراک بہم پہنچائی جا رہی ہے، راجندر بابو اور جواہر لال نہرو بھی موقع پر
پہنچ گئے ہیں"

"خان عبدالغفار خاں کے سرخپوش طوفانی آبادی کو بچانے میں
مصروف ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے امداد کی اپیل شایع کی ہے"
"سیوا سمتی مع طبّی سامان کے سب سے پہلے پہنچ گئی تھی، جس نے

بہت سے ڈُوبتوں کو نجات دلائی، وغیرہ،

طوفان بدتمیزی کے بعد طوفان تمیزی کا درجہ ہے، لیکن غلط ہوگا اگر اسکا درمیانی درجہ بھی نہ بنا دیا جائے، جو میں نے تحقیق کیا ہے، اس لئے اس درمیانی طوفان کا نام اگر "طوفان نیم تمیزی" رکھا جائے تو علامات کے حساب سے صحیح ہوگا، یعنی شعور اور بے شعوری کے بیچ کی عمر میں یہ طوفان انسان کو گھیر لیتا ہے، جس سے کم شعور لڑکے اور لڑکیاں ضایع ہوتے رہتے ہیں اور ضایع ہوتے رہیں گے،

لیڈر، حکماء اور مدبّرین میں ۹۹ فیصدی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تعلیم کے زمانہ میں سیاست میں حصّہ لینا تعلیم کے لئے سخت نقصان دہ ہے، لیکن شاید غیر محسوس طریق پر یا سہواً خود ماہرین تعلیم نے درسگاہوں میں ایسا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ آدمی خواہ مخواہ سیاسی انسان ہو کر رہتا ہے، یا سیاسی ہونے کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا سیاسی ہونے کی استعداد کو محسوس کرنے لگتا ہے،

مثلاً درسگاہوں میں مجالس مذاکرہ کا انعقاد، ایک لڑکے کا تقریر کے لئے اونچی جگہ کھڑا ہونا اور سب کا اس سے نیچے بیٹھے رہنا، تمام لڑکوں کا

نیچے بیٹھے رہنا اور ایک لڑکے کا اُونچی کرسی پر بیٹھنا اور سب کا اس کو "جناب صدر" کہنا اس کے بعد تمام طلبار کا اخبارات پڑھنا اور "حُب وطن" کے عنوان پر تقریروں اور تحریروں سے "مشقِ جنگ" میں حصّہ لیتے رہنا، یہ تمام مشق بجائے خود سیاسی تعلیم ہے اور کہتے یہ ہیں کہ طلبار کو سیاست میں حصّہ نہ لینا چاہیئے،

درسگاہوں کی اس مشق کے بعد یا اس کے درمیان ہی سے مذکورہ بالا طوفان کے آثار و اثرات شروع ہو جاتے ہیں، بعض اوقات درسگاہوں کے عوض آجکل کے "دارالمطالعوں" کے مطالعہ اور تفریحی باغات میں ملکر بیٹھنے اور اخباری گفتگو سے یہ طوفان کھڑا ہو جاتا ہے، اس طوفان کو "نیم تمیزی" اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اچھے بُرے کی تمیز کرنے کی صلاحیت طبی نقطۂ نظر سے مکمّل نہیں ہوتی، اس لئے طوفان زدہ انسان ۱۹ برس کی عمر ہی میں تعلیم چھوڑ کر یا "قومی رضاکار" بن جاتا ہے یا "افسانہ نگار" حالانکہ یہ عمر محض تحصیل کمالات کی ہے، مگر طوفان ہی تو ہے، پس اگر دماغ میں اس طوفان کے پیدا ہوتے ہی بزرگوں اور وارثوں نے "نگرانی" اور "اصلاح" سے کام نہ لیا تو یقین فرما لیجئے کہ لڑکا یا لڑکی اس طوفان کی زد میں آگئے اور مارے گئے، اس لئے کہ اب ایسا طوفان زدہ انسان اپنے صحیح مستقبل، نصب العین اور مقصد زندگی کو تو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے

نتائج کو محسوس بھی نہیں کرسکتا، اسی لئے اس طوفان کے مارے ہوئے چند سال کے بعد عجیب وغریب حالات وشدائد میں مبتلا پائے جاتے ہیں،

اس طوفان کے عملی اور نمایاں آثار یہ ہیں کہ اس نوع کا لڑکا یا لڑکی اپنے گھر سے زیادہ کلب، دارالمطالعہ، انجمن، جلسہ اور جلوس میں نظر آتا ہے، یا آتی ہے، اس کی شعوری قوت ابھی طبعاً کامل نہیں ہوتی، اس لئے یہ دوسرے لیڈروں کی نقل کرلیتا ہے اور بس، اور طوفان نیم تمیزی کی یہی وہ منزل ہے جہاں سے افسانہ نگاری، قومی شاعری اور مضمون نگاری کی بلا بھی لپٹ جاتی ہے، اور اس وقت کی یہ تینوں قوتیں پختگی، استدلال اور تدبیر آموزی کے عوض صرف بحرانی اور طوفانی ہوا کرتی ہیں،

مثلاً افسانے، اشعار اور مضامین میں لفظوں کا ہجوم اور ہنگامہ ہوتا ہے، مغز و معنی اور مقصد و تدبیر آموزی کا کوسوں پتہ نہیں ہوتا، اب اگر اس طوفان کے عالم میں ایسے شخص کو تقریر کا موقع بھی مل جائے تو اس کا نمونہ اس قسم کا ہوگا:۔

"جناب صدر و حاضرین جلسہ!

میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے اس امر کا یقین دلاتا ہوں کہ اگر قوم کی

بیوہ ماں بہنوں کا عقد ثانی ہونے کے مسئلہ میں برطانی حکومت نے کوئی مداخلت کی تو میں سب سے پہلا انسان ہوں جو جیل جانے کو تیار رہوں گا، مگر اس مداخلت فی الدین کو برداشت نہ کروں گا،

آہ قوم کے بیشمار یتیم بچے تو نان شبینہ کو حاصل نہ کر سکیں اور ہمارے سرمایہ دار سینما کے تماشہ کا ناغہ نہ کریں، لہذا سینما کے خلاف پیکٹنگ کی سخت سے سخت ضرورت ہے، جس کے لئے میری خدمات ہر وقت حاضر ہیں،

برادران ملّت!

ضرورت ہے کہ ہم اپنی آواز کو کامیاب بنانے کے لئے ایک اخبار جاری کریں تاکہ ہماری برادری کی ضروریات کی ترجمانی ہو سکے، اور میں اس قومی آرگن کے لئے اپنے بکرا بکری تک فروخت کرنے کو تیار ہوں، ہم قوم سے بھیک مانگیں مگر اس کام کو کر کے دکھا دیں گے،

آہ ہم ان اسلاف کے اخلاف ہیں جنہوں نے ساری دنیا سے اپنا لوہا منوایا، مگر آج ہم ہیں کہ دوسروں کے غلام ہیں، میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم جلد ان بیڑیوں کو کاٹ کر پھینک دینگے (نعرۂ تکبیر) گاندھی جی کی جے، خان عبد الغفار خاں زندہ باد، ملّا رموزی مردہ باد!

آہ سارا مالابار سیلاب کی نظر ہو چکا اور ہماری سیوا ہمتی کے بہادروں نے سیلاب زدوں کی امداد کے لئے اپنی جانیں تک دیدیں، مگر ہماری اسمبلی کے غدار ارکان ٹس سے مس نہیں ہوئے، ایسے ارکان سے ہماری درخواست ہے کہ وہ فوراً اسمبلی کی رکنیت سے استعفادیدیں،

"ڈگو بیک ملار موزی" ورنہ ہم سیاہ جھنڈیوں سے ایسے ارکان کا استقبال کرینگے، خموش خموش، لعنت لعنت، بٹھادو بٹھادو، ہم نہیں سنتے، مولانا ابوالکلام کو کھڑا کیجئے، روشنی سامنے لائیے، آواز نہیں آتی آواز، شانتی شانتی، سنئے سنئے، جی نہیں سنتے، ہم آپ کو خوب جانتے ہیں، پہلے یتیم خانہ کا حساب دیجئے، وغیرہ "

اس نوع کے طوفان کا آثار مسلسل افلاس، عوام کی بے رخی، اور کہیں کہیں پولیس کی حسب ضابطہ نگرانی سے عمل میں آتا ہے، اس قسم کا طوفان زدہ اپنے گھر کے غیر روشن خیال اور غیر سیاسی مردوں اور عورتوں کے حق میں بھی سخت مصیبت ثابت ہوتا ہے، مثلاً یہ گھر کے ہر فرد کو دوپہر کے وقت بھی "حب وطن" پر لیکچر پلاتا ہے، اور صبح کو بھی، کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر یہ ہوتا ہے کہ تمام خاندان کو قوم کے نام پر مرمٹنے کی تلقین کرتا رہتا ہے، یہ قومی تباہی کا ذمہ دار علمار کرام

کو قرار دیتا ہے، مذہبی علوم سے یکسر بیگانہ ہونے پر بھی خود کو مفتیٔ اعظم فلسطین کا بڑا بھائی تصوّر کرتا ہے، گھر کی عورتوں تک کو کھدّر اور کھادی میں دیکھنا چاہتا ہے اور اگر اسکا بس ہو تو یہ عورتوں تک سے دوپٹے چھین کر ان کو گاندھی ٹوپی اوڑھنے پر مجبور کر دے،

اس کو ڈاکٹر اقبال مرحوم کا کلام ضرور یاد ہوتا ہے، جس کے حوالے جگہ جگہ دیتا ہے، یا پھر قبلہ گاندھی جی کے مقولے، اس طوفانی اور بحرانی دباؤ سے اس کی آنکھیں عینک سے باہر نکلی پڑتی ہیں، اور بے عینک ہو تو تیزی سے گھومتی رہتی ہیں،

یہ طوفان شعوری قوت کے بیدار ہونے اور مسلسل ناکامیوں سے جب کافور ہوتا ہے تو طوفان زدہ لڑکا یا لڑکی پھر اس میدان سے اتنا دور نظر آتا ہے گویا وہ اس قوم کا فرد ہی نہیں جس کے غم میں وہ کل تک جرمنی تک سے لڑنے کو تیار تھا، یعنی اس بحرانی حالت سے شفاء پالے پر بعض کو نیاز مند بطار موزی سے دیہات میں سفید موصلی کی تجارت میں مبتلا پایا ہے اور بعض کو ہوائی جہاز پر ملازم!

شیر کا شکار

ہندوستان کو فطرت کی طرف سے جو آب وہوا عطا ہوئی ہے، اس
کے اثر سے یہاں کی ہر پیداوار کمزور، ناتوان، لاغر اور پست ہی نظر آتی ہے،
مثلاً یورپ میں جیسے قوی اور دیو ہیکل انسان پیدا ہوتے ہیں ہندوستان
میں ویسے ہی قحط زدہ، فاقہ کش اور مریض صورت کے انسان پیدا ہوتے ہیں
لہٰذا جتنا بڑا دماغ اتنی بڑی عقل اور ہندوستان میں فطرت کے اسی بخل کا
اثر ہے جو یہاں کے باشندوں کی تاریخ غلامی خاصی طویل ہے،
پس شکار بھی ایک ایسے عمل کا نام ہے جو اگر سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے
اور اس کا کوئی مفید و موزوں مقصد قرار دیا جائے تو اس سے فوائد حاصل
ہو سکتے ہیں، لیکن فطرت کا دیا اور تو سب کچھ ہے مگر ہندوستانیوں میں جو
یہی دولت نہیں ہے تو دیکھ لیجئے کہ آج ہندو مسلم فسادات تو بنے ہوئے ہیں
مگر نہ ہو سکے تو سوراج، اس لئے ہندوستان کے شکارستانوں میں آج جو

قبیلے نظر آتے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں مثلاً:۔

(۱) وہ شکاری قبیلہ ہے جو صحت اور دماغی سکون کے لئے شکار کی تفریح اختیار کرتا ہے اور یہی قبیلہ صحیح اور برحق ہے،

(۲) یہ وہ طائفہ ہے جو صرف گوشت خوری کے لئے اللہ میاں کے جانور بندوں اور بندیوں کو ہلاک کرتا ہے، میری رائے میں یہ جماعت قرنطینہ کی مستحق ہے،

(۳) تیسری جماعت وہ ہے جو جنگلی جانوروں کی نقصان رسانی اور ایذارسانی کے انسداد کے لئے شکار کا کام کرتی ہے اس لئے یہ مستحق انعام ہے،

(۴) چوتھی ٹولی وہ ہے جو صرف اس لئے شکار کو جاتی ہے کہ کسی امیر وزیر آدمی نے اس کے کسی فرد کو بطریق انعام و عنایت بندوق دیدی ہے، لہذا محض بندوق کے ہاتھ آجانے سے اب شکار فرمانا بھی فرض قرار دے لیا گیا، چاہے نشانہ صحیح ہو یا نہ ہو، میری رائے میں ایسے تمام افراد کی بندوقیں ضبط کر کے مجھے عطا فرمادی جائیں تاکہ ان کو فروخت کر کے میں اپنا مکان بنوالوں،

(۵) پانچواں گروہ وہ ہے جو خود شکار کے خوفناک جنگلوں سے ڈرتا ہے بندوق بھی خود نہیں چلا سکتا، مگر ہر شکاری کے ساتھ جانے اور شکار کا تماشہ

دیکھنے پر مرتا ہے، اور کبھی کبھی اپنی ناواقفیت سے اصل شکاری کو بھی مصیبت میں ڈالدیتا ہے، لہذا میری رائے میں ایسے شوقین حضرات کو اپنے اپنے شہروں ہی میں سنگسار کر دینا چاہیے،

(۶) چھٹا طبقہ وہ ہے جس کو اگر شکار کا شوق دلادیجیے تو فوراً تیار ورنہ برسوں شکار کا نام تک نہ لے، میری رائے میں اگر ایسوں کے ہاتھ سے جانور کے عوض انسان مارے جائیں تو معاف!

(۷) ساتویں برادری وہ ہے جو شکار کے صحیح مقاصد و فوائد سے کا ملاً خبردار ہے، شکار کے اصول و ضوابط وضع کرتی ہے، شکار کے نقصانات سے دوسروں کو خبردار کرتی ہے، شکار کے بہترین قاعدے ایجاد کرتی ہے، شکار کے گوشت پوست کو کارآمد بناتی ہے، شکار سے قوت، شجاعت، جفاکشی، بہادری، اولوالعزمی اور محنت شاقہ کی استعداد پیدا کرتی ہے، اور شکار کے نام سے غریبوں کو فائدہ پہنچاتی ہے،

اس طبقہ میں رؤسار، امراء، حکام اور ذی مقدرت لوگ شامل ہیں، لہذا میری رائے میں ان حضرات کو افریقہ، امریکہ اور یورپ تک میں شکار کی سہولت بہم پہنچائی جائے!

(۸) آٹھواں حلقہ وہ ہے جو شکار کے گوشت پوست سے اپنی بیوی بچوں کی روزی پیدا کرتا ہے، میری رائے میں اس حلقہ کے افراد اگر جانور نہ ملنے پر ملا رموزی تک کو مار کر فروخت کر دیں تو خون اور سزا دونوں معاف،

(۹) نواں عملۂ شکار وہ ہے جو اگر پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو شکاری ورنہ پکے ڈاکو، میری رائے میں ان لوگوں سے دُور ہی رہنا مناسب ہے، ورنہ یہ لوگ بعض اوقات شریف شکاریوں کو بھی پولیس سمجھ کر فیسر فرما دیتے ہیں،

(۱۰) دسویں انجمن وہ ہے جس کے ارکان اپنے شہروں میں سکون سے ملازمت کرتے ہیں، بال بچوں میں رہتے ہیں، سنیما دیکھتے ہیں، جنگل کے نام سے توبہ کرتے ہیں، مگر ہر شکاری کے سر پر مسلّط رہتے ہیں، کہ شکار کا گوشت کھلائیے، پھر گھر بیٹھے گوشت بھیج دینے کے بعد بھی یہ شکایت کہ ابکی مرتبہ بہت تھوڑا گوشت بھیجا، میری رائے میں ایسے لوگوں کو اگر شکاری لوگ دھوکے سے مار ڈالیں تو مار کر حج کرنے اور گناہ معاف کرانے کی ضرورت نہیں،

(۱۱) گیارھویں جمعیت وہ ہے جس کے افراد نمک مرچ ساتھ لے کر

جاتے ہیں، اور ہر معمولی سے معمولی شکار کے گوشت کو جنگل ہی میں بڑی مسرت سے تناول فرما کر آتے ہیں، میری رائے میں اگر ان لوگوں کو شیر مار ڈالے تو ان کے بال بچوں کو کوئی تاوان نہ دیا جائے، بلکہ دفن کے وقت اُن کے ساتھ اُن کے شوق کا گوشت بھی رکھ دیا جائے،

(۱۲) بارھویں خاصانِ خدا وہ ہیں جو شکار کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں اور سب کچھ کر سکتے ہیں، مگر صرف اولاد کی کثرت، آمدنی کی قلت اور کارتوسی بندوقیں نہ ہونے کے باعث شکار کو نہیں جا سکتے، مگر شکاری ہوتے ہیں، البتہ کبھی کبھی کسی شکاری کے ہمراہ رہ کر شکار کا نظری لطف اُٹھا کر گھر آجاتے ہیں، میری رائے میں ایسے لوگوں کو عاقبت کے خوف ہی سے شکار کے لئے سب کچھ دے دینا چاہئے، اور شاید یہی وہ اللہ والے ہیں جن کے صدر جناب مُلّا رموزی صاحب ہیں،

سنہ ۱۹۲۳ء میں اُردو کی انجمنیں بنانے جب میں ولایات متوسط، ہند اور برار میں گیا تو علاوہ عوام کے حضرت گرامی نواب محمد علی خاں صاحب نے امراؤتی میں، اور حضرت محترم نواب عبدالوحید صاحب والی گوردھا اسٹیٹ نے ناگپور میں، میری کافی سے زیادہ امداد فرمائی تھی، اسی عرصہ

میں امرار ولایات متوسط ہند سے جو تعارف حاصل ہوا تھا اس کے بعض سلسلے آج تک جاری ہیں، اس لئے ذیل کا خط ملا:-

"حضرت محترم ملّا رموزی صاحب، السلام علیکم!

نامۂ کرم ملا، نادرہ کہتی ہے کہ امتحان کی مبارکباد خود آکر دیجئے، آپ نے بھاول کے اسٹیشن پر جو وعدہ فرمایا تھا وہ اب پورا کیجئے، شیر حاضر ہے اطلاع دیجئے تو انتظامات مکمل کر لئے جائیں، بیگم اور نادرہ کا آداب قبول کیجئے۔"

مذکورۂ بالا نامۂ کرم اسی محترم اور معزز ٹولی کے ایک بے حد لائقِ احترام رکن کا تھا، جو ناگپور اور برار میں میری رفیق کار رہی تھی، اور اس میں سے بعض نے اپنے خُلق وکرم سے مجھ سے اچھی خاصی رشتہ داری پیدا کر لی ہے، اور خصوصیت سے خط لکھنے والے محترم سے تو بے حد گاڑھی رشتہ داری ہے، اس لئے کہ محترم و معظم کی محترم و معظم بیگم صاحبہ اور ممدوحہ کی صاحبزادی عزیزہ نادرہ نے مجھے اُن مواقع پر بھی گھی کے بہترین کھانے کھلائے جہاں پلاؤ، مزعفر، اور بریانی تک تیل میں پکائے اور کھلائے جاتے ہیں، یہ پورا خاندان بے حد روشن خیال، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بحمدللہ کہ ذی ثروت

دذی مقدرت خاندان ہے، اس سے بھی زیادہ خاص بات یہ ہے کہ عزیزہ نادرہ نے میری بیوی نمبر ایک کو بہن بنایا ہے، اس لئے خوب خوب تحفے بھیجتی ہیں، اور ملّا رموزی بھی صرف اُنہی کا ہے جو انعام دیں یا تحفہ، "یہ خالی خولی ملّا صاحب تشریف لائے" کہنے والے تو نہ میرے کرمفرما نہیں اُن کا دوست، اور نہ وہ لوگ میرے دوست جو صرف یہ کہیں کہ "کیا خوب مضمون تھا" اور بس، اس لئے میں نے خط آتے ہی اپنی چاروں بیویوں کو جمع کر کے اس جلسہ کا صدر اپنی چھوٹی بیوی کو بنایا کہ یہ غریب ہی غضب کی منصف مزاج اور شریف تر جذبہ کی بیوی ہے، صدر جلسہ بنا کر میں نے یہ خط پیش کیا اور ادب سے عرض کیا کہ:۔

"اگر آپ سب کی رائے ہو تو ایک دن کے لئے چلا جاؤں، ویسے بھی وہ لوگ میرے قدردان ہیں اور گھرانہ بھی رئیس ہے، مجھے آرام بھی کافی ملیگا"

اب اگر آپ کو عورت کے "تاؤ" کھا جانے کے رموز و نکات سے واقفیت ہو تو یقین کیجئے کہ اس خط سے نہیں بلکہ میری "شوہرانہ معروضات" سے اُن میں ایک ہلکا سا "بیویانہ تاؤ" پیدا ہو گیا، اور وہ زکام کھانسی

کی ماری ہوئی بیوی نمبر ۲ بولیں کہ :-

"اچھا ہے جب قدر دان گھرانہ ہے اور اُوپر سے رئیس بھی تو
ضرور تشریف لے جائیے، آپ کو تبدیل آب و ہوا کی ویسے
بھی ضرورت ہے، ہم میں آپ کا کون اتنا بڑا قدر دان ہے
جو اس شدید گرمی میں آپ کو شملہ یا مصوری بھیج سکے"

یہ سراپا طنز و طعن گفتگو حضور بیوی نمبر ۲ صاحبہ کی ہے، جس میں شوہر کی جدائی کا وہ عاشقانہ صدمہ مضمر ہے جس کو ۹۹ فیصدی شوہر نہیں سمجھتے اور بیوی کو گستاخ سمجھ کر طلاق تک معاملہ پہنچا دیتے ہیں، اس لئے میں نے کہا کہ :-

"نہیں نہیں یہ خیال غلط ہے، کہ تم سے زیادہ قدر دان کوئی
اور ہے، بلکہ میں نے جس گھرانہ کو قدر دان کہا ہے، وہ
صرف علمی و ادبی حیثیت سے، اچھا اگر آپ کو ناپسند
ہے تو یہ تو شکار ہے میں تو بغیر تمہاری منظوری کے تبدیل
آب و ہوا کے لئے سوئٹزرلینڈ بھی نہ جاؤں گا، اور وہی آنا
تو اب یوں نہیں کہتا کہ آجکل وہاں ہٹلر اور اُن کے ساتھی
دندنا رہے ہیں، وہ مجھ ایسے ہندوستانی بیوی کو کاہیکو گھسنے دینگے"

بڑی بیوی کو اللہ اولاد پالنے کے لئے سلامت رکھے، ان کو اپنے صاحبزادے کی پرورش ہی سے فرصت کہاں، جو وہ اپنے شوہر کے گشت اور سفر کو سمجھیں بھی کہ ملا صاحب کہاں جاتے ہیں اور کیوں جاتے ہیں؟ البتہ وہ غریب چھوٹی بیوی ہی بولی اور بڑے بھولے سے "تاؤ" کیسا تھ بولی کہ:۔

"اچھا آئیے گا کب؟"

اس مختصر سے جملہ میں میرے جانے کا جو طویل صدمہ شامل تھا اس کی شاعری کو اگر تمام شوہر سمجھ لیں تو ہر گھر میں میاں بیوی جنّت ہو کر رہ جائیں، اور یہ میاں بیوی یا نہ دھینگا مُشتی اور طلاق کے محکمات کا نام بھی نہ رہے، اس لئے میں نے کہا کہ:۔

"بس تیسرے دن"

اس پر بھی فرمایا کہ "انشاء اللہ" تو کہدیجئے،

دیکھا آپ نے اس عربی فقرے میں چھوٹی بیوی کی فکر مندی کو؟

اب سب سے اہم مرحلہ تھا محترمہ والدہ صاحبہ اور بہنوں کی اجازت کا، کہ ان عزیزوں کو میرے ہر سفر پر یہی یقین ہے کہ گئے نہیں کہ مرے، اس لئے ان سے اجازت لینا گویا مرتے وقت کہا سنا معاف کرانا ہے، مگر میں ٹھیرا آدمی غیر کالجی

اگر کالج کا لکھا پڑھا ہوتا تو والدین کے امام ضامن باندھے بغیر چلا جاتا، اس لئے ان سے اجازت کی مشکلات کو حل کراتے ہوئے دعائیں حاصل کیں اور ان دعاؤں سے یقین کر لیا کہ اب شیر کے ساتھ اگر جرمنی کی فوجیں بھی ہونگی تو مار ڈالونگا،

ایک نازک، لطیف، شاعر اور بال کی کھال نکالنے والے صاحب علم انسان کے لئے ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرا دینے کے یہ معنی ہیں گویا اس کو پاگل بنانے کی مشق کرائی جارہی ہے، اور وہ بھی "رعایتی ٹکٹ" کے زمانہ میں، میں تو روزانہ دیکھتا تھا کہ ہر گاڑی میں افلاس اور نادیدہ پن کے مارے ہندوستانی پانچ روپیہ کے ٹکٹ سے حج بھی کرنے جارہے ہیں اور تفریح کو بھی، وہ تو آجکل اُن کا بس نہیں ورنہ وہ اس پانچ روپیہ والے ٹکٹ کے ذریعہ اپنے مکانوں اور اپنے شہروں تک کو ریل میں بھر کر دہلی سے بمبئی اور بمبئی سے کلکتہ لئے پھریں، اللہ اکبر، ہندوستانی کو موقع تو دیجئے پھر اگر یہ سینما، تھیٹر، گھوڑ دوڑ، کارنیوال، دنگل، ٹورنامنٹ، میلوں ٹھیلوں کے تماشوں اور نمائیشوں کے ٹکٹ لینے سے باز تو آجائے، وہ ان کھیلوں اور تماشوں کو سمجھے یا نہ سمجھے، اُن کے فوائد و نقصانات سے واقف ہو یا نہ ہو، مگر اس کو تو "رعایتی ٹکٹ کی اطلاع دیدو پھر

دیکھو اس کی بوکھلاہٹ، اس لئے آجکل کی ریل گاڑیاں مسافروں سے یوں لبریز ہوتی ہیں گویا آگرہ کے تمام بندر سرکار کے حکم سے مال گاڑی میں بند کر کے کسی دوسرے جنگل کو بھیجے جا رہے ہیں اور وہ مارے وحشت اور گرمی کے ایک دوسرے پر چڑھے چلا رہے ہیں، مگر ریل ہیں جا رہے ہیں، اس لئے میں نے ریلوں کی اس دھینگا مُشتی سے محفوظ رہنے کے لئے تیسرے درجہ کی لنگڑی ریل گاڑی سے سفر شروع کیا، مگر اس اللہ کی بندی نے بھی ہر اسٹیشن پر ٹھیر ٹھیر کر مجھے مزا ہی چکھا دیا، آدھ مُوا سا ہو کر اٹارسی کے اسٹیشن پر اترا، اٹارسی میں "سیرت کمیٹی" کی طرف سے تقریر کر کے اپنے خاصے کرم فرما پیدا کر چکا ہوں، اس لئے یہاں سے میرے لئے کھانا اور خربوز تربوز کافی مقدار میں آئے تھے، میں نے بھی "یا علی" کہکر تمام پھل عزیزہ نادرہ کے لئے یوں رکھ لئے گویا میں اپنے ہی روپیہ سے خرید کر تحفتاً دے رہا ہوں،

اٹارسی ناگپور ریلوے صوبجات متوسط کے بعض ایسے پہاڑی سلسلوں سے گذری ہے جن کے قدرتی پیچ و خم سے پُر شباب غزل کی سینکڑوں رنگین طرحیں از خود پیدا ہوتی ہیں، اگرچہ گرمی کے موسم نے ان پہاڑوں کو بے رونق بنا دیا ہے مگر میں ان کو دیکھ کر اپنے جنگی ذوق کی خیالی تکمیل سے لطف لے رہا تھا، اور ہر پہاڑ

کو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ اس پہاڑ کی اوٹ میں اپنا جنگی مرکز بناؤں گا، اس میدان میں ہوائی جنگی جہازوں کا اڈا بناؤں گا، اس ندی سے پانی لوں گا، اس میدان میں رسد جمع کروں گا اور اس میدان میں کانگریس اور مسلم لیگ کے ارکان کو جبری بھرتی کے ذریعہ ابتدائی قواعد پریڈ سکھاؤں گا۔

ان خیالات میں مستغرق ہو جانے سے تیسرے درجہ کے مسافروں کی تو تو میں میں، کپڑوں کی گٹھریوں، بستروں، صندوقوں اور بال بچوں کی چیخوں سے بے خبر رہا، کہ بیتول کا اسٹیشن نظر آیا، اسٹیشن کے باہر ایک ہلکے آسمانی رنگ کا موٹر کار کھڑا تھا، جس سے کہنی لگائے ایک نوجوان انگریز خموش کھڑا تھا، اسٹیشن سے باہر ہوتے ہی یہ انگریز میری طرف بڑھا اور اچانک عزیزہ نادرہ بن گیا، میں نے اُن کے سلام کے جواب میں کہا کہ "اخاّ نادرہ تم مسلمان ہو گئیں" انہوں نے گھبرا کر کہا کہ "ملاّ صاحب! شکار کے کپڑے ہیں، کیا کروں؟"

قلی نے بستر کے ساتھ جب خربوز تربوز بھی موٹر کے پاس رکھے تو میں نے خدا کا نام لیکر نادرہ سے صاف صاف کہدیا کہ "یہ انار ہی سے میرے مولوی صاحب ہونے کے اعزاز میں مفت ملے ہیں، مگر تم ہو انگریزی داں! لہذا محترمہ بیگم صاحبہ سے انگریزی ہی میں کہدینا کہ "دیکھئے ملاّ صاحب میرے امتحان کی

کامیابی کی خوشی میں اپنی گاڑھی تنخواہ سے اتنے خربوز تربوز لائے ہیں۔"
نادرہ بے حد خوش ہوئیں اور فرمایا کہ "آپ کی ایسی ہی باتیں تو سب کو یاد آتی تھیں۔"

اس حسین و نفیس اور نازک موٹر کار میں جب یہ خربوز تربوز بھرے گئے تو مجھے خود ایسا محسوس ہونے لگا گویا مجھے ہیضہ کا مریض سمجھ کر میرے گرہستی کے سامان کے ساتھ مجھے قرنطینہ بھیجا جا رہا ہے، نادرہ بیساختہ موٹر کی دوسری نشست پر بیٹھ گئیں اور میرے لئے وہ نشست چھوڑ دی جس پر ڈرائیور بیٹھتا ہے، جب میں سوار ہوا تو کہا۔ "ادھر آئیے اور میرا موٹر چلائیے۔" میں نے کہا کہ "آپ اپنے موٹر کار کو سائیکل بنا دیجئے تو میں چلا کر دکھا دوں کیونکہ مجھے میری قدردان قوم نے سائیکل ہی دلائی ہے۔"

نادرہ گو ابھی طالبہ ہیں مگر بلا کی ذہین و زیرک، ادھر ذی علم گھرانے اور اعلیٰ تربیت دینے والے والدین کی بیٹی، اس لئے میرے اس جملہ کا جو اثر نادرہ نے لیا، اس کی تاثیر کو میرا ہی دل خوب جانتا ہے، نادرہ نے بیساختہ کہا:۔

"اچھا تو یہ موٹر آپ لے لیجئے۔"

میں ساکت سا رہ گیا اور نادرہ موٹر چلانے لگیں، مگر وہ بھی بے حد خوش سی

تھیں، تھوڑی دُور چلکر پھر کہا کہ "کیا واقعی آپ کو موٹر چلانا نہیں آتا"؟ میں نے پھر یقین دلایا کہ "مجھے اتنا متمدن اور ترقی یافتہ انسان بنایا ہی نہیں گیا، موٹر کیسے چلاؤں"۔ اس پر نادرہ خموش تھیں اور گاؤں آنے تک وہ جس درجہ متاثر رہیں ان کے اس جذبہ سے میں بے حد متاثر رہا،

نادرہ اپنے جلیل القدر باپ کی بڑی لاڈلی بیٹی ہیں، گاؤں میں والد صاحب قبلہ ان کا اور میرا انتظار کر رہے تھے، نادرہ نے گاڑی روکتے ہی گاڑی کے اندر ہی سے کہا "بادامیاں! میں نے یہ گاڑی ملا صاحب کو دیدی، آپ اسکو بھوپال بھیجنے کے لئے جبلپور سے ریلوے بوگی منگا دیجئے، اسکو آپ سچ سمجھئے"

میں معظمہ محترمہ بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نادرہ کے جذبۂ قدر و ہمدردی کی تعریف کی، اور نادرہ سے ہنسکر کہا کہ "دیکھو جس جنگل میں ہم لوگ شکار کے لئے جارہے ہیں وہاں کے پہاڑوں میں بیٹھ کر ایک وظیفہ پڑھونگا اور مجھے موٹر مل جائیگا"

اب میں جس طرف دیکھتا ہوں دیہاتی ہی دیہاتی نظر آتے ہیں، جو شیر کے شکار کے بندوبست کے لئے جمع تھے، کھانا کھانے کے بعد ہی طے کیا گیا کہ چونکہ آپ صرف ڈیڑھ دن کے لئے آئے ہیں اس لئے ابھی سے جنگل چلئے، شیر سے پہلے

دُوسرے جانوروں کو شکار کیجئے، یہاں سے تین موٹر کار روانہ ہوئے، نادرہ نے اس مرتبہ اپنے موٹر میں یہ کہہ کر مجھے سوار کیا کہ "ملاّ صاحب کیا میں آپ کا موٹر چلا سکتی ہُوں؟"

جی میں تو آیا کہ اس کمالِ شرافت پر اپنی دُو تین بیویاں نثار کردوں، مگر میں نے کہا کہ "جی نہیں اب جنگل جانا ہے اس لئے آپ باوامیاں کے ساتھ جائیے میں بیگم صاحبہ کی گاڑی میں آؤں گا" مگر نادرہ کی محترم پھوپی صاحبہ نے بیساختہ فرمایا، "جی نہیں ہم اپنی گاڑی میں ملاّ لوگوں کو نہیں بٹھائیں گے"

اس لئے پھر نادرہ نصیب اور ملاّ رموزی،

اب ذرا میری شکاری لیاقتیں ملاحظہ فرمائیے، چنانچہ شکاری کے لئے اگر شرطِ اوّل ہمت، شجاعت، حوصلہ، بہادری، دلیری، جرأت، بے خوفی، صبر و ضبط، محنت و جفاکشی اور لگاتار کوشش اور استقلال ہے، تو میں پیدائشی شکاری ہُوں، اس لئے کہ میری ساری زندگی ہمت، صبر و ضبط، اور لگاتار کوشش ہی کا صدقہ ہے اور حوادث و خطرات سے ہمیشہ بے خوف رہتا اور یہ مضمون نگاری بھی شیروں کے میدان میں کام کرنا ہے، حد ہے کہ خود میری چھوٹی بیوی سمجھ رہی ہے کہ میں اس کے لئے کتنی تکالیف اٹھا چکا ہوں، اُٹھا رہا ہوں، مگر اسکی طرف سے

مُنہ نہیں موڑتا، اور جو شکاری کے لئے شرطِ اوّل عمدہ بندوق چلانا ہے تو
میں غیر شکاری اور میرا خاندان کا خاندان غیر شکاری،

بھئی بات یہ ہے کہ جب تک شیر کو دیسی بندوق سے مارتے تھے میں خود
لڑکا تھا اور مدرسہ میں پڑھتا تھا، جمعہ کے جمعہ ساتھ پڑھنے والے لڑکوں کیساتھ
باغوں میں جاتا تھا، وہاں لڑکوں سے تُو تُو میں میں ہونے پر کبھی اُن کو مارتا تھا،
اور کبھی خود مار کھاتا تھا، مگر گھر آکر کسی سے شکایت نہیں کرتا تھا، لیکن جب سے
میں بندوق چلانے کے قابل ہوا، اس وقت سے شیر کو کارتوسی بندوق سے
مارنے کا چلن ہو گیا، دریافت پر معلوم ہوا کہ شیر کو مارنے والی کارتوسی بندوق
اتنی بھاری قیمت پر ملتی ہے کہ اس رقم سے میں دو بیویاں کر سکتا ہوں، اور اس
طرح میں بہ یک وقت چھ بیویوں کے شوہر ہونے کا اعزاز و انعام حاصل
کر سکتا ہوں،

اس لئے میرا شکاری شوق یوں رہا کہ جس اللہ کے بندے یا بندی نے مجھے
شیر کے شکار کا تماشہ دکھلانے کے لئے بُلایا میں اس کیساتھ چلا گیا، اور بہانہ یہ
کر دیا کہ میری چھوٹی بیوی میری بے حد قدر دان ہے، اُس نے میری جان کی حفاظت
کے لئے مجھ سے حلف لے لیا ہے کہ میں شیر کے شکار سے ہمیشہ دُور رہوں گا،

اس لئے میں جس کیسا تھ اس شکار میں جاتا ہوں وہ بندوق چلاتا ہے، میں خوش ہوتا ہوں، وہ شیر مارتا ہے اور میں تعریف لکھتا ہوں، وہ جنگل میں زخمی شیر کو تلاش کرتا ہے اور میں مارے ڈر کے قل ہو اللہ پڑھتا رہتا ہوں، البتہ شیر کے شکار میں مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ عموماً لوگ اس کے شکار میں اس کے چند مخصوص اصول وضوابط اور خواص سے واقف ہوتے ہیں اور میں اس شکار کے ایک ایک جزو کو تحقیق، تنقید اور طبعی و علمی نقطۂ نظر سے دیکھتا رہتا ہوں، اس لئے شیر سے واقفیت کا جہاں تک تعلق ہے مجھے اس کے متعلق بعض طبعی، فطری اور عقلی معلومات کا ذخیرہ سمجھیے، اسی لئے شکاری میری معلومات پر حیران رہ جاتے ہیں، چنانچہ اس راستہ میں نادرہ نے مجھ سے شیر کے متعلق سوالات کئے اور میں نے جب سنجیدگی سے ان کے جوابات دئیے تو وہ میری واقفیت پر حیران تھیں اور ایک مرتبہ تو یہاں تک داد دیدی کہ "کیا باوامیاں آپ سب یہ قاعدے معلوم کر لیتے ہیں؟" ان کو پہلی حیرت اسی وقت سے ہوئی جب میں نے انھیں بتایا کہ "دیکھو اس جنگل میں نیل گائے بکثرت ہونگی" کیونکہ نادرہ کو معلوم تھا کہ یہاں نیل گائے کافی ملتی ہیں، اس لئے وہ حیران رہ گئیں، کہ میں نے صرف جنگل دیکھ کر کس طرح بتادیا کہ یہاں نیل گائے ملتی ہیں؟

شیر کے شکار میں جاکر جو لوگ شیر سے ڈرتے ہیں اُن کی مثالیں یہ ہیں، مثلاً :-

(۱) بعض اس طرح ڈرتے ہیں کہ جب تک وہ شکار کے علاقہ میں رہتے ہیں اُن کی گفتگو ان کے قابو میں نہیں رہتی، اور بظاہر وہ کسی ڈر کا اظہار نہیں کرتے،

(۲) بعض وہ ہوتے ہیں جو شیر کے نظر آنے سے پہلے تک بڑے بہادر بنے رہتے ہیں، لیکن شیر کے نظر آنے پر وہ مختلف صورتوں سے ڈر جاتے ہیں :-

پہلی صورت میں وہ سکتہ کی مکروہ صورت بن کر رہ جاتے ہیں، انکی زبان اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کا ساتھ نہیں دیتے،

دُوسری صورت میں اُن کے چہرے کا نُور اُڑ جاتا ہے، جسم کا لرزہ پنکھے کی صورت میں نظر آنے لگتا ہے،

تیسری صورت میں وہ شیر کے نظر آتے ہی جو کچھ کر گذریں کم ہے، یعنی ان میں کے بعض بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض شیر کو چلّا چلّا کر بھگانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، ان کی اس حرکت سے اصل شکاری بھی خطرہ میں گھر جاتا ہے، کیونکہ شیر حرکت کرنے والے انسان پر اس لئے حملہ آور ہوتا ہے کہ

وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص مجھے مارتا ہے،

چوتھی صورت میں ڈرنے والے شکاری کے حق میں آخری مصیبت بن جاتے ہیں مثلاً ابتدا میں وہ بڑے پُر جوش بنکر جنگل میں داخل ہوتے ہیں، لیکن شیر کا گھنا جنگل دیکھتے ہی وہ واپس جانے کی خواہش کرتے ہیں، اس موقع پر شکاری کے غصہ کا انجن پُوری طاقت سے ان کے خلاف کام کرنے لگتا ہے،

پانچویں صورت عجیب وغریب ہوتی ہے، وہ یہ کہ ڈرنے والا خود ڈرتا ہے مگر اس طرح گویا وہ نہیں ڈرتا بلکہ شکاری ڈرتا ہے اور وہ شکاری کو ہمت دلا رہا ہے، ایسے شخص سے شکاری بے حد تنگ رہتا ہے،

چھٹی صورت نہایت خوفناک ہے، اس میں ڈرنے والے کے لئے شروع سے بہت اچھی رائے قایم ہو جاتی ہے، یعنی اس کی نقل وحرکت اور اسکی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بڑا بہادر اور حوصلہ مند ہے، لیکن شیر کے نظر آنے پر یہ اچانک گھبراتا ہے اور اس گھبراہٹ میں اس کی ڈرپوک حرکات کا جغرافیہ سمجھ میں نہیں آتا، کہ آخر اب یہ کس طرف بھاگے گا، یا یہ کپڑے پھاڑیگا، یا یہ درخت کی شاخ شاخ پر دوڑتا پھریگا، یا یہ شکاری پر چڑھ جائیگا، یا یہ شیر ہی کے سامنے جاکر لیٹ جائیگا، یا یہ مچان سے کود پڑے گا، یا یہ درخت پر چڑھ کر درخت کو ہلاتا رہیگا، یا جنگل سے

گھر تک بھاگتا ہی چلا جائیگا،

ساتویں صورت خود شکاری صاحب کا ڈر ہوتا ہے، یعنی ضروری نہیں ہے کہ جو شخص شکاری ہو وہ شیر سے نہ ڈرتا ہو، البتہ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں، مثلاً خوبصورت ڈرپوک وہ ہوتا ہے جو بظاہر نہیں ڈرتا، لیکن اس کے ڈر کا اثر اسکی بندوق کے نشانہ پر پڑتا ہے، یعنی قلب کی غیر محسوس حرکت کی وجہ سے اسکا نشانہ غلط جاتا ہے، ایسے شکاری کیساتھ شیر کے شکار میں رہنا گویا عزرائیل علیہ السلام کے ساتھ تفریح کرنا ہے،

ایک ڈرپوک شکاری وہ ہوتا ہے جو شیر کی شکارگاہ تک تو بڑے شوق سے جاتا ہے، لیکن شیر کے نہ ملنے کے ادنیٰ بہانے پر وہ گھر واپس آجاتا ہے،

ایک شکاری وہ ہوتا ہے جو شیر کے زخمی ہونے پر اس کی تلاش کے نام تک سے گھبراتا ہے اور اگر کسی دباؤ سے ایسا شکاری زخمی شیر کو تلاش کرنے چلا بھی جائے تو شیر کے حملہ آور ہونے کے وقت اس کے ساتھیوں کو اللہ بچائے یا گورنمنٹ، کیونکہ زخمی شیر کو دیکھتے ہی وہ خود قوالی کے حال کی صورت اختیار کر لیتا ہی،

درجہ اوّل کا شکاری وہ ہوتا ہے جو شیر کے جنگل میں شیر ہی کی طرح جاتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں پر بہادرانہ کمانڈ کرتا رہتا ہے، اوّل تو ایسے شکاری سے شیر کبھی

بچتا ہی نہیں اور اگر کبھی زخمی ہو کر جنگل میں بھاگ جائے تو ایسا شکاری بغیر کسی مدد کے اس کو ڈھونڈھ کر مار ڈالتا ہے، ایسا شکاری شیر کے حملہ آور ہونے تک بدحواس نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے خود شیر ہی بدحواس اور پریشان رہتا ہے،

ملّا رموزی صاحب کے ڈرنے کے قاعدے، اصول اور عقائد یہ ہیں:۔

مثلاً وہ شیر کے جنگل میں داخل ہوتے ہی سوچتے ہیں کہ اگر شیر نے مجھے مار ڈالا تو میرے بال بچوں کو پنشن کون دیگا، لہذا ڈرو، وہ سوچتے ہیں کہ اگر شیر نے مجھے مار ڈالا تو میرے بال بچوں کی امداد کون کریگا، جبکہ میری ہی زندگی میں کسی نے میری امداد نہ کی، بلکہ اُلٹا مجھے چور، ڈاکو اور عزرائیل علیہ السلام ہی سمجھا، لہذا ڈرو،

مثلاً وہ سوچتے ہیں کہ اگر شیر نے مجھے زخمی کر دیا تو اوّل تو شفاخانہ میں میرا انتقال ہوگا اور شفاخانوں کے انتقال سے خدا محفوظ رکھے، کیونکہ شفاخانوں میں حسب قاعدہٗ شفاخانہ مرنا پڑتا ہے، کوئی بے ضابطگی کی نہیں کہ ڈاکٹر صاحب خفا ہوئے، پھر شیر کا زخمی ویسے ہی موت سے بچتا نہیں، اور اگر بچتا بھی ہے تو بڑی قیمتی دواؤں سے اور یہاں ملّا رموزی کے دماغ ہی کو باغ و بہار رکھنے کے لئے کسی نے مقویات و مفرحات کا عطیہ دیا ہو تو بتادے، بلکہ اس غریب کو جو کچھ ملتا ہے اس کو بھی بہت زیادہ کہا جاتا ہے، گویا ملّا رموزی دیہاتی تمدن اور دیہاتی زندگی کا آدمی ہے

جو مع متعلقین دس بارہ روپیہ میں گذر کر سکتا ہے، لہٰذا ڈرو، مثلاً وہ سوچتا ہے کہ اگر شیر نے مجھے زخمی کر دیا تو اس سے فوراً مر جاتا تو خیر غنیمت لیکن اگر چھ سات مہینہ زخمی پڑا رہنا پڑا تو۔

مثلاً وہ سوچتا ہے کہ اگر شیر کے زخمی ہونے سے اس غریب کو شفاخانہ میں رہنا پڑا تو اس عرصہ میں چھوٹی بیوی کو واپس لانے کی کوشش کون کرے گا، جو چند ماہ سے تو نظر ہی نہیں آتی، اور ظاہر ہے کہ مارے ڈر کے سسرال میں اس کو اصل معاملہ والاخط لکھا نہیں جاتا اور اشاروں سے وہ سمجھتی نہیں، لہٰذا ڈرو،

مثلاً وہ سوچتا ہے کہ اگر شیر نے مجھے زخمی کر دیا تو میرے متعلقین کا مارے مایوسی کے کیا حال ہوگا؟ اچھا اگر کچھ بھی نہ ہوا تو زخمی ہو کر خواب میں اول فول بولنے اور بکنے کی خدمت کس کے بس کی؟ پھر اگر شیر کے نظر آتے ہی میں خود بس میں نہ رہا اور بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا تو دنیا مجھے کیا کہیگی، اور میری چاروں بیویاں میرا مذاق اُڑائیں گی، لہٰذا ڈرو!

یہ وہ خیالات و عقائد ہیں جو ہر شیر کے شکار میں ملا رموزی کے

دماغ پر قبضہ کر لیتے ہیں، البتہ وہ اُوپر سے بڑا بہادر نظر آتا ہے،

الحاصل ان ہی افکار و خیالات میں ڈوبا ہوا میں عزیزہ نادرہ کے موٹر میں بیٹھا ہوا تھا اور نادرہ قدم قدم پر مجھ سے جرح کرتی جاتی تھیں، مثلاً کیوں ملا صاحب آپ تو شاعر اور ادیب ہیں یہ شیر کے شکار کا شوق کیوں پیدا ہوا؟ آپ نے کتنے شیر خود مارے اور کتنے مرتے دیکھے؟ اچھا کبھی زخمی شیر سے بھی سابقہ پڑا؟ اچھا تو اب میں ایک ہفتہ تک آپ کو گھر نہیں جانے دُونگی، وعدہ کیجیے ورنہ گاڑی روکتی ہُوں؟

مگر میں تھا کہ شیر کے ڈر سے اپنے دماغ میں بھاگنے، چلّانے، درخت پر فوراً چڑھ جانے، نادرہ کو شیر کی طرف دھکیل دینے اور خود درخت پر چڑھ جانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا اور اس غریب کے ایک سوال کا جواب نہیں دیتا تھا، وہ تو مجھ سے شدّت سے محبّت کرنے والی نادرہ تھی، اس لئے غریب ہنس ہنس کر میری بدحواسی کو ٹال رہی تھی، اور جو کہیں نادرہ کے عوض ان کی پھوپی صاحبہ میرا یہ اول فول پن دیکھ پاتیں تو مجھے خفیف کرنے میں دقیقہ نہ اٹھا رکھتیں، کہ اُن سے مجھ سے شروع ہی سے یہی کھاتہ ہے،

ندی کے ایک شاداب کنارے پر موٹریں کھڑی ہو گئیں اور اعلان ہوا کہ

یہاں ہر شخص اپنے اپنے حصہ کا کھانا خود پکا کر کھائیگا، میں نے بیساختہ کہا کہ "میں قضا کے روزے رکھ رہا ہوں۔" مگر کمبخت پان خوری نے بھانڈا پھوڑ دیا، اب کیا تھا نادرہ کی پھوپی صاحبہ کو خدا مل گیا، فوراً ہی موصوفہ نے فرمایا:-

"جائیے جنگل، لائیے لکڑیاں، روشن کیجئے چولھا اور تیار کیجئے اس گرمی میں اپنا کھانا، کیونکہ اب تک چاروں بیویوں کے صدقے خوب عیش فرمایا آپ نے ؟"

میں نے عرض کیا کہ "اگر صرف چار بیویوں کے ہاتھوں کا کھانا ہی اس سزا کا سبب ہے تو میں اُن میں سے منجھلی بیوی کو آج طلاق دینے کو تیار ہوں۔"

فرمایا "یہ آخر صرف منجھلی ہی کیوں اور چھوٹی کیوں نہیں ؟"

میں نے عرض کیا کہ "اوّل تو گنتی میں یہ عدد غیر شاعرانہ سا ہے، دُوسرے یہ کہ یہ اللہ کی منجھلی بندی ہمیشہ کھانسی زکام اور ملیریا کا شکار رہتی ہے، جس کی وجہ سے میں ہمیشہ نصف شفاخانہ بنا رہتا ہوں، دُوسرے جب فرصت پاتی ہے تو اخبار "السٹریٹڈ ویکلی" بمبئی کے معمے حل کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے، مزاج کی مغرور، اور خموش، پھر اُوپر سے میرے اشاروں کو نہیں

سمجھتی اور ایک چھوٹی بیوی ہے جو اوّل تو ہر فن میں طاق اور اُوپر سے بے حد خوش اخلاق "۔

القصہ ایک طویل بحث کے بعد جس میں میں شکست کھا کر روٹی پکانے پر تیار نہیں ہونا چاہتا تھا، آخر کار نادرہ ہی کی عمر کام آئی، یعنی لڑکی پن کی عمر میں لڑکی میں اپنے عزیز مردوں کے لئے جو خلوص و ایثار ہوتا ہے وہ صاحب اولاد ہو کر شوہر تک کے ساتھ نہیں رہتا، اس لئے بھولی اور کافی سے زیادہ محبت کرنے والی نادرہ ہی بولی کہ "پھوپی جان ملّا صاحب تو اپنے مہمان ہیں اس لئے ان کے ذمہ کا کھانا ہم پکا دیں گے،" اب جو میں نے نادرہ کی یہ مستعدی دیکھی تو میری مردانہ غیرت پر لرزہ سا محسوس ہوا، اور میں بڑا مرد بن کر جنگل کی طرف تنہا روانہ ہو گیا، یہ کہکر کہ

"اچھا نادرہ میں تم کو لکڑیاں تو لا دوں "۔

کہنے کو نادرہ کے والد اور میرے محترم میزبان یہ سارا مباحثہ سُن رہے تھے مگر میرے جنگل کی طرف تنہا جانے کو دیکھ کر بھی موصوف نے جھوٹ کو نہ کہا، کہ

"اچھا اچھا ملّا صاحب آپ رہنے دیجئے، میں ملازمین سے لکڑیاں منگا دیتا ہوں"۔

آخر کار مرد ہوتے ہی ہیں بے مروّت، اب ندی کا کنارہ اور وہ بھی بے حد شاداب، اس لئے چلا تو قدم قدم پر مجھے شیر اور شیر نہیں تو تیندوے نظر آنے لگے اور میں

پھر وہی سوچنے لگا جو اس سے پہلے اپنی موت کے متعلق سوچتا تھا، لیکن اب تو محال تھا کہ میں لکڑیاں بھی جمع نہ کروں، اس لئے لکڑیاں تو جمع کرنے لگا، مگر دل میں جنگل میں دوبارہ آنے کی قسمیں سی کھانا شروع کیں اور خدا سمجھے اس عقل و فراست کو کہ اس نے قوم سے موٹر کاریں اور کوٹھیاں تو آج تک نہ دلائیں، بس دلایا تو ہر نفع کی چیز کے حاصل کرنے میں قانون سے ڈرنا، کوتوالوں سے ڈرنا، رسوائی کے نام سے ڈرنا، تہذیب کی لفظی پابندیوں سے ڈرنا، اور اس جنگل میں شیر اور تیندوے سے ڈرنا، نتیجہ اس عقل کا یہ نکلا کہ میں قیام گاہ سے لکڑیاں لانے تو چلا بڑے بہادرانہ انداز سے مگر درختوں کی اوٹ میں پہنچتے ہی ایک درخت کے نیچے یوں کھڑا ہو گیا گویا شیر آنیوالا ہے، اور میں حیران و پریشان کھڑا ہوں، کہ ناگاہ میں نے دبی ہوئی سی ہنسی کی آواز سنی، دیکھتا کیا ہوں کہ یا مروّت نادرہ میری پشت کی طرف سے آہستہ آہستہ آ رہی ہیں، مجھے دیکھتے ہی بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑیں، میں نے کہا "ہائیں" ؟ کہا "شور نہ کیجئے، میں یہ کہکر نہیں آئی ہوں کہ ملّا صاحب کی مدد کو جاتی ہوں بلکہ یہ کہکر آئی ہوں کہ اپنے حصّہ کی لکڑیاں لانے جاتی ہوں، بتایئے آپ یہاں خموش کھڑے کیا سوچ رہے ہیں،" میں نے کہا "اچھا کھاؤ قرآن کی قسم کہ کسی سے کہو گی تو نہیں" کہا "میری عادت قسم کی نہیں"

میں نے کہا "اچھا میری خاطر قسم کھاؤ" کہا "اچھا قرآن شریف کی قسم کسی سے نہ کہیں گے" میں نے کہا "شیر کے ڈر سے یہاں کھڑا تھا"

میری اس صاف گوئی سے یہ بے حد متاثر ہوئیں اور ایک یہاں کیا غریب نادرہ تو گویا میرے لئے متاثر ہونے ہی کو پیدا ہوئی ہیں، اسی لئے میرا بھی ارادہ ہے کہ اگر عمر میں کبھی میں نے ہجرت کی تو انہی کے علاقہ میں باقی عمر پوری کروں گا، اور نادرہ میرا مزار آگرہ کے پتھر کا بنوا دینگی، جس کے تذکرہ سے وہ بے حد ملول ہوتی ہیں،

تھوڑی دیر بعد میں اور نادرہ قیام گاہ پر لکڑیاں لیکر اس بے ایمانی سے پہنچے گویا جنگل میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں، اور غریب مزدوروں کی طرح اپنے اپنے حصہ کی لکڑیاں لیکر حاضر ہیں،

نادرہ نے چولھا سنبھالا اور میں حیران تھا کہ یہ خالص رئیسانہ زندگی اور نازو نعم کی پلی ہوئی لڑکی کس غضب کی مستعدی سے چولھے کے کام میں مصروف ہے، وہ آجکل کی وضع کی خاکی برجیس اور خاکی ریشمی بنیان پہنے تھیں، ان کے لمبے لمبے بالوں میں جنگل کی خاک اٹی ہوئی تھی، وہ ہاتھ کے رومال سے کبھی کبھی چہرہ صاف کر لیتی تھیں، مگر ان ہی کی طرح جب میں نے محترم و معظم بیگم صاحبہ کو بھی کام میں مصروف دیکھا

تو نادرہ کی اس اچھی تربیت پر اُن کے محترم والد صاحب اور محترم ماموں جان صاحب کو مبارکباد دی،

اس عرصہ میں خانہ بدوش بلوچیوں کے خیمہ کی نقل میں میں نے ایک طرف کپڑے کا گھر بنایا، جس میں ماموں جان میری مطلوبہ امداد فرماتے رہے، اور میں نے نادرہ نے، پھوپی جان، اور ماموں جان نے اسی کپڑے کے گھر میں کھانا کھایا۔

کھانے کے بعد میری غزلوں اور نظموں کا طوفان شروع ہوا، بھلا ایسا جلیل القدر ذی علم اور ادب دوست خاندان اور پھر مجھ سے شعر سنانے کی فرمائش، اب کا ہیکو میں سانس لیتا، کوئی پچاس غزلیں تو سناڈالی ہوں گی، سب کو اس بات پر حیرت تھی کہ میں نے اچانک غزل گوئی میں اتنی کامیابی کس طرح حاصل کی،

اس کے بعد اس خانہ بدوش زندگی کی تصویریں لی گئیں اور نادرہ نے یہاں بھی اپنی تصویر کش قابلیت کا ثبوت بہم پہنچایا، اور بڑی تیزی سے مجھے متعدد تصاویر تیار کر کے عنایت فرمائیں، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری کوئی تصویر بگڑنے نہ پائی، جس کا پھوپی صاحبہ کو بڑا ارمان تھا،

وقت آگیا کہ شیر کا شکار ہو، میں نے سمجھا گویا میرا شکار ہوگا، قافلہ والے

مسرور تھے، شیر کے مختلف حالات پر گفتگو تھی، محترم پھوپی صاحبہ کا اصرار تھا کہ آئندہ آپ اپنی چاروں بیویوں کو بھی لائیے، اور میں کہتا تھا کہ یہ چار بیویوں کا واحد شوہر جان ہی سلامت لیکر چلا جائے تو غنیمت!

الحاصل شیر کا علاقہ آگیا، موٹر روک دیئے گئے، پہلا ہی اناڑی پن ملاحظہ ہو کہ اس ٹولی کے تمام مرد و عورت شکار کے خاکی لباس میں تھے، مگر ملا رموزی صاحب وہی نفیس شاعرانہ لباس پہنے ہوئے تھے، جس کی جھلک بھی نظر آجائے تو شیر شکار کرکے رکھ دے، روانگی اس طرح عمل میں آئی کہ گفتگو کے عوض دلوں میں باتیں کرنے لگے، یعنی بے حد دھیمی آواز سے، بلکہ اشاروں سے باتیں ہونے لگیں، میں نے محترم میزبان کا سہارا لیا، کیونکہ جانتا تھا کہ موصوف ہی کی بندوق کا نشانہ قابلِ اطمینان ہے، لیکن میرے دل کے اس چور کو کون سمجھتا کہ میں شیر سے جان بچانے کے لئے اچھے نشانے والے کے ساتھ ہو گیا ہوں، لیکن میری اس حرکت کو نادرہ بُری طرح محسوس کر رہی تھیں، وہ میرے اس طرز عمل کو اپنے ساتھ خالص نمک حرامی تصور کرتی تھیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسے مواقع پر عورت کے احساسات بے حد مشتعل، زود رنج اور متاثر ہوتے ہیں، ان کا یہ دماغی کھولاؤ اب ان کے چہرہ تک سے نمایاں تھا، مگر میں اس الجھن میں پھنسا ہوا تھا کہ اگر وفاداری،

خیر خواہی، خیر سگالی، خیر اندیشی، خیر طلبی اور خوشنودیٔ مزاج کے لئے میں یہاں بھی نادرہ کے ساتھ ہی رہا تو نادرہ تو ہیں ہر حال میں رئیس کی بیٹی، اس لئے یہ ہیں خوش اقبال، شیران کو تو کسی نہ کسی طرح چھوڑ ہی دیگا مگر میں دعائیں مانگنے پر بھی شیر کے طمانچہ سے نہ بچ سکوں گا، اس لئے میں ان سے کٹنے لگا اور ان کے والد محترم کے "زیر سایہ" چلتا رہا۔

لیجئے وہ میری تمام کاریگری دھری رہ گئی اور اچانک ایک مچان کے نیچے کھڑے ہو کر ان ہی والد صاحب قبلہ نے مجھے اس مچان پر نادرہ کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، جن کو میں اپنا سرپرست اور قلعہ سمجھے ہوئے تھا، اب مارے شرم کے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ حضور قرآن کی قسم میں شیر سے بے حد ڈرتا ہوں، اس لئے مجھے اس لڑکی کے ساتھ نہ چھوڑیئے ورنہ شیر مجھے مار ڈالیگا یہ غریب مجھے بچا بھی نہ سکیگی، چاروناچار ہم لوگ مچان پر جا بیٹھے،

اب لینے دیجئے نادرہ کو مجھ سے بدلے، کیسے کیسے طنز سے یہ مجھ سے گفتگو فرمانے لگیں، کہ میرا ہی دل جانتا تھا، مگر اب ان سے تاؤ کھا کر جاتا کہاں؟ میں نے مچان پر بیٹھتے ہی ان کے طنز سے بچنے کے لئے ان پر اپنی شیردانی کا اثر ڈالنا چاہا، مثلاً میں نے کہا:۔

"سنو جی نادرہ! جب شیر آئے تو اس کو دیکھتے ہی حرکت نہ کرنا، نہ پہلو بدلنا، نہ بندوق آڑی ترچھی کرنا، بس جو کچھ کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کرلو، ورنہ وہ گولی کھانے سے پہلے تم کو کھا جائیگا، کیونکہ اس کی سماعت کی قوت اس کی نظر کی قوت کے تابع ہوتی ہے، جس جگہ سے اس کو حرکت کی آواز آتی ہے یہ بغیر کسی مشکل کے معاً اس جگہ کو پہچان لیتا ہے اور حملہ کر گذرتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ لفظ "سنو جی!" ہی میں میرا رعب اور دبدبہ نمایاں تھا، مگر نادرہ کا ہیکو میرا رعب قبول فرماتیں، ہنسکر کہنے لگیں کہ:-

"آپ بڑے بے مروّت ہیں۔"

میں نے کہا۔ "اگر بے مروّت نہ ہوتا تو قوم کی اصلاح اور خدمت کیسے کرتا۔"

کہا۔ "اس کا مطلب؟"

میں نے کہا۔ "اصلاح و رہنمائی کا کام بے مروّت دل ہی کرسکتا ہے، جس میں مروّت ہوگی وہ نہ کمزوریوں اور غلط کاریوں کو ظاہر کرے گا نہ سزا دیگا، اور غلط کاروں کو جب تک بے مروّت ہوکر ڈانٹ نہ دیا جائیگا وہ غلط کاری سے کس طرح باز آئیں گے، لہذا شک نہیں کہ مجھ میں نازبرداری کے ساتھ ساتھ ڈانٹ دینے اور کبھی کبھی پھاڑ کھانے کی قوت بھی زندہ ہے اور اسی لئے تحریریں

سرداری اور سالاری کے فرائض انجام دے رہا ہوں"

قدر دان اور ذی ہوش نادرہ میرے اس جواب سے بے حد متاثر ہوئیں اور اب بتایا کہ :-

"ملا صاحب! قصہ اصل میں یوں ہے کہ شیر کا شکار میرے لئے ہے اور باوا میاں نے میرے امتحان کی کامیابی کی خوشی میں میرے لئے یہ شیر تیار کیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں میں آپ کے لئے پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ ملا صاحب کو نادرہ کے مچان میں بٹھا کر ملا صاحب کو شیر کا شکار دکھائیں گے، تاکہ وہ مضمون صحیح اور چشم دید لکھ سکیں"

میں نادرہ کی اس "بھانڈا پھوڑ اطلاع" پر ظاہر میں تو خوش ہوا، لیکن دل میں اور ڈر گیا کہ لیجئے شیر اور وہ بھی نادرہ ایسی نو عمر بچی سے شکار کرایا جائیگا تو اب اگر نہ بھی مرتا تو اس لڑکی کے اول فول نشانہ سے اب مر کر ہی رہوں گا،

اب جو یہ سمجھا تو آنے دیجئے پھر موت اور موت کے بعد میرے گھر بار کی تباہی اور قوم کی یکسر نا قدر دانی اور زندگی میں قدر نہ کرنے کے دل شکن خیالات اور وساوس، مگر خوش دل نادرہ کو میرے ان خیالات کا کیا علم، وہ تھیں اور اُن کا مذاق، پھر بھی میں نے مچان ہی پر سے درخت کی ایک ایک شاخ کو

تاک لیا تھا کہ اگرچہ شیر درخت پر تو نہ آئیگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ درخت پر چڑھ ہی نہیں سکتا، لہذا اگر چڑھا تو نادرہ تو اپنی بندوق اور خوش نصیبی سے لامحالہ بچکر ہی رہیں گی ورنہ وہ امیر آدمی کے گھر پیدا ہی کیوں ہوتیں، خرابی تو ہے غریب آدمی کے گھر پیدا ہونے والوں کی جو ترقی کی لاکھ کوششوں سے بھی پروان نہیں چڑھتے اور دنیا کا ہر حادثہ ان کے لئے منہ کھولے کھڑا رہتا ہے، اس لئے شیر کے چڑھتے ہی میں اس شاخ پر چڑھ جاؤں گا اور خواجہ حسن نظامی مدظلہ کی کوئی نہ کوئی دعا پڑھتا رہوں گا، کیونکہ بے عمل مسلمان دعاؤں اور گنڈے تعویذوں کے زیادہ قائل ہیں، اور مصطفٰے کمال پاشا مسلسل کوشش اور علم و عقل کے،

العظمت للہ، خود شیروں کے گھر میں رہتا ہوں اور خدا جانے کتنے رئیسوں اور رئیس زادیوں کیساتھ شیر کا شکار دیکھا ہے، خطرناک سے خطرناک شیروں کو زخمی اور غضبناک دیکھا ہے، مگر اللہ شاہد ہے کہ اس اللہ کے بندہ کا خوف ہمیشہ ابتدا کی طرح پڑتا ہے، یعنی لاکھ تجربہ کار ہو جائیے اور لاکھ نڈر مگر جہاں اسکے سامنے آنے کا یقین ہوا نہیں کہ دل دماغ اور بندوق تک جواب دینے لگتی ہے، لہذا شیر کو نادرہ کے سامنے لانے والا شور شروع ہوا، اس موقع پر بہادر نادرہ کے چہرہ پر جو مسکراہٹ تھی میں اس کی علمی اور نفسیاتی کیفیات کو کیا بیان

کردوں، یعنی میں نے اس مسکراہٹ میں محسوس کیا کہ ہمت ضرور مردانہ ہے، مگر دل آخر کار عورت کا ہے جو سختی کے مقابلوں کے لئے بنایا ہی نہیں گیا، اس لئے تیور بتا رہے تھے کہ" مار تو ڈالوں گی مگر......"

ان کی اس "نیم مردانہ اور نیم عورتانہ اولوالعزمی" پر میں نے بعد میں جو داد دی اس میں میں نے ان کو کلکتہ، دہلی، لاہور، مدراس اور پشاور تک دیدیا، صرف شہر بمبئی کو اپنے عیش کے لئے محفوظ کر لیا ہے،

الحاصل اس شور میں ظاہر ہے کہ کوئی ڈھائی سو مرد شریک تھے، لہٰذا شیر کا کیا ڈر، مگر واقعہ یہ ہے کہ دن کے وقت شیر کے گھر پر سے انسانوں کی یہ آوازیں بھی غضبناک شیروں کی آوازیں محسوس ہوتی تھیں، اور میری تمام "منشی گری" مارے خوف کے لرزے میں تھی، لیکن محض ایک بچی کے پاس ہونے کی شرم سے میں ہمت سے اشارے کر رہا تھا،

نادرہ بڑے حوصلہ سے بندوق تانے بیٹھی تھیں کہ اچانک ایک غلط سمت سے شیر کے آنے کا کھٹکا ہوا، میں نے آہستہ سے نادرہ کو اس طرف گھما دیا، نادرہ نے گھومتے ہی گولی مار دی، اس عجلت میں نادرہ کی صرف ناتجربہ کاری تھی اس لئے گولی پیٹ میں گھس گئی، میں نے ابھی کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ ہوشمند نادرہ نے

دُوسری گولی ماری، جو صحیح نشانہ پر لگی، یعنی آگے کے دونوں ہاتھ توڑ گئی، میں نے دونوں گولیوں سے شیر کے بال اُڑتے دیکھ لئے تھے اس لئے شیر زمین پر گر گیا اور نادرہ تیسری گولی مارنا چاہتی تھیں کہ میں نے ان کو روک دیا، انہوں نے گھبرا کر کہا، کیوں؟ میں نے آہستہ سے کہا کہ شیر ختم ہو چکا اب گولی ماروگی تو اس کی کھال خراب ہوگی، اس وقت نادرہ کی مسرت کی بے خودی کا عالم نرالا تھا، بیساختہ مجھ سے پوچھا کہ:-

"میں باوا میاں سے چلا کر کہدوں کہ میں نے شیر مار لیا"

میں نے کہا۔ "دو منٹ اور ٹھیر جاؤ شاید یہ جوڑا ہو اور اس کا دُوسرا ساتھی بھی آنے کو ہو"

مگر وہاں دُوسرا ساتھی نہیں تھا صرف شیر تھا، اس لئے چار منٹ کے انتظار کے بعد میں نے ان کو اجازت دی کہ باوا میاں کو آواز دو، میں نے تو صرف آواز کی اجازت دی تھی، مگر نادرہ کی وہ مثل کہ ؎

اب دل کہاں ٹھکانے نام آگیا وفا کا

وہ تو اللہ کی یہ شیر مار بندی قریب تھا کہ مچان سے شیر پر ہی جست فرماتی، مگر میں پھر "کام آیا" اور میں نے عرض کیا کہ "حضور ہم بھی جانتے ہیں کہ صرف

آپ نے شیر مارا ہے اور کسی نے شیر نہیں مارا، مگر یہ جلدی اچھی نہیں اور لوگوں کو شیر کے پاس آنے دیجئے۔"

وہ تو نادرہ قدردان ماں باپ کی قدردان بیٹی ہیں اس لئے میرے اس وقت کے روکنے پر ہنسکر رہ گئیں، ورنہ کوئی دوسرا اناڑی ہوتا تو شیر کے منہ پر پہنچ جاتا اور نتیجہ کے طور پر ملّا رموزی اور اس کے ساتھی کسی عدالت میں کھڑے ان سوالوں کے جواب دے رہے ہوتے کہ :۔

"اچھا بتائیے کہ جب لڑکی کے والدین نے آپ پر اعتماد کرکے آپ کو لڑکی کے پاس مچان پر بٹھایا تھا اور آپ کو شیر کے شکار کا تجربہ بھی تھا تو آپ نے لڑکی کو اطمینان کر لینے سے پہلے شیر کے قریب کیوں جانے دیا"؟

"اچھا جب لڑکی شیر کے قریب پہنچی تو اس وقت شیر کا منہ کس طرف تھا اور اچھا اس وقت غروب آفتاب میں کتنی دیر تھی؟

"اچھا لڑکی کس رنگ کے کپڑے پہنے تھی"؟

"جب شیر نے اس پر حملہ کیا تو آپ اس سے کتنے فاصلہ پر تھے"؟

غرض اس قسم کے سوالات کے بعد لامحالہ فیصلہ میں یہی لکھا جاتا کہ :۔

"حسب دفعہ ۱ ضمن ۲ قانون ضابطہ شکار مجریہ ۳۰۰۰ قبل مسیح، چونکہ

ملّا موزی اور اس کے ساتھیوں کی غفلت اور اپنے فرض منصبی سے بے پروا مزاجی ثابت ہے اس لئے علی الترتیب تین سال بامشقت اور چونکہ اس کے پاس مچان میں ایک بے لائیسنس بندوق کا ہونا بھی ثابت ہے اگرچہ اس نے اس کو استعمال نہ کیا لیکن بہ نظر تنبیہہ بہ سلسلہ خلاف ورزی قانون اسلحہ چھ ماہ محض کی سزا دی جاتی ہے، البتہ ملزم کی خدمات عامہ اور اس کی شہرت و مقبولیت کے لحاظ سے عدالت اس کے لئے جیل خانہ میں درجہ اوّل کی سفارش کرتی ہے اور اس عرصہ میں اس کی چار بیویاں اتوار کے اتوار اس کو خط لکھ سکتی ہیں اور وہ افسر جیل خانہ کے روبرو جواب لکھ سکتا ہے۔"

جب یہ ہو جاتا تو بتائیے کہ شیر کے شکار کی پُر لطف یاد میرے دل میں کتنے دن باقی رہتی، اس لئے میں نے نادرہ کے دل اور جذبۂ مسرت کی پروا کئے بغیر ہر ایسی خطرناک منزل پر سختی سے روک دیا، کیونکہ آپ نے فیصلہ میں پڑھ لیا کہ عدالت نے ایک جگہ یہ نہ پوچھا کہ:-

"اچھا بتائیے ملّا موزی صاحب جب شیر پر آپ کی نظر پڑی تھی تو خود آپ کے بہادر دل کی دھڑکن کی رفتار کیا تھی؟"

"اچھا جواب دو کہ جب شیر حملہ آور ہوا تھا اس وقت تم کس نمبر کی بیوی اور

کس ممبر کے بچّہ کی محبت کی وجہ سے شیر کے سامنے نہ آئے"؟

"اچھا سچ بتاؤ کہ جب شیر حملہ آور ہوا تھا تو تمہارے قلب کی حرکت بند ہونے میں کتنی دیر تھی"؟

الحاصل ان حالات کے سمجھ میں آنے سے انسان شیر کے شکار میں احتیاط سے کام لیتا ہے، لہٰذا میں نے احتیاط سے نادرہ کو روکا، تھوڑی دیر میں اُن کے محترم والدین کے حوالہ کر کے سب کو مبارکباد دی، نادرہ کو ہوش نہیں تھا کہ وہ شیر کی خوشی میں میری وفاداری اور شیر سے بچانے کا شکریہ ادا کرتیں، اس لئے جب وہ شیر کی پیمائش کر کے اس کی تصویر کھینچ رہی تھیں تو میں نے اُن کے حواس اور بندوق کے نشانہ کی تعریف کی اور ان کو قسم دی کہ آپ اس تصویر کو چاہیں جہاں بھیجدیں لیکن اخبار "ٹائمس آف انڈیا" کو نہ بھیجیں، کیونکہ "ٹائمس" میں تصویر دینا کھلے ہوئے دکھاوے کی علامت ہے جو بڑے لوگوں کا شیوہ نہیں!

غروب آفتاب سے پہلے واپسی عمل میں آئی، اس وقت جنگل پر دہشت چھایا ہوا تھا جس کے روزانہ دیکھنے کا میں آرزومند تو ہوں مگر سائیکل پر شام کے وقت اگر جنگل کی تفریح کو جاؤں تو جنازہ بن کر تو واپس ہو سکتا ہوں زندہ نہیں، اس

وقت میرے موٹر میں محترمہ بیگم صاحبہ، نادرہ اور پھوپی جان صاحبہ تشریف فرما تھیں، اس لئے مجھے یقین تھا کہ بنصیب اعدا مجھے کسی خطرہ سے یوں دوچار ہونا پڑیگا کہ نام خدا پھوپی صاحبہ رونق افروز ہیں، اِدھر میرا تجربہ ہے کہ بدنصیبی کے زمانہ میں ہر بُرا خیال اور خطرناک اندیشہ پُورا ہوکر رہتا ہے، اور اچھا خیال اور اچھی خواہش کبھی پُوری نہیں ہوتی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور جیسے ہی کہ راستہ میں مغرب کی نماز کا وقت ہوا فوراً ہی پھوپی صاحبہ بولیں کہ:۔

"بس نادرہ گاڑی روک دو، ملّا رموزی صاحب نماز پڑھیں گے اور لو یہ صراحی کا پانی دیدو تو وہ وضو کرلیں"۔

اس وقت محترمہ پھوپی صاحبہ کا میرے لئے نماز کا بندوبست فرمانا ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی جاہل کے پاس دلیل نہیں ہوتی تو وہ ہر فقرہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ڈراتا ہے اور کفر کے الفاظ نکلوانے کے لئے کہتا ہے کہ کیا اللہ میاں کا حکم بھی نہ مانوگے، اسی لئے اب میرے پاس نماز نہ پڑھنے کا کوئی شرعی عذر بھی نہیں تھا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں تو صرف نام کا ملّا رموزی صاحب ہوں، یا ہوں تو ملّا صاحب مگر شیر کے جنگل میں مغرب کی نماز پڑھنے کا عادی نہیں ہوں، لہٰذا دل میں تو بددعا کرتا ہوا اور ظاہر میں اجمیر شریف کے

برابر مقدس صورت بناکر موٹر سے صراحی لیکر نیچے آیا، وضو کر کے نماز شروع ہی کی تھی کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر موٹر فُرّو، اب نماز کی نیت توڑ کر اگر موٹر کے پیچھے بھاگتا اور شیر سے ٹکرا جاتا یا موٹر کسی اور سمت گیا تھا اور میں کسی اور سمت بھاگتا، یا میں موٹر کے پیچھے بھاگتا اور راہ گیر لوگوں کے عوض مجھ سے چوروں اور ڈاکوؤں سے ملاقات ہو جاتی تو، یا میں موٹر کے پیچھے بھاگ کر بھی موٹر کو نہ پاتا اور مارے ڈر کے کسی درخت پر بیٹھ کر نیند کے غلبہ سے میں یہ خواب دیکھنے لگتا کہ میری چھوٹی بیوی مجھے اپنے موٹر میں شام کی تفریح کو لے جا رہی ہے، کہ درخت سے میرے ہاتھ چھوٹ جاتے اور میں جب درخت سے نیچے گرتا تو وہاں شیر کھڑا ہوتا، اس لئے میں نے نماز کی نیت تو نہ توڑی مگر فوراً خیال آیا کہ شیروں کے جنگل میں شیروں کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں ہے، جو وہ رات کے وقت گھر ہی سے باہر نہ آئیں گے، اور میں اطمینان سے نماز پڑھتا رہوں، بس یہ خیال آنا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا گویا میرے پیچھے ہی بیٹھا ہوا ایک شیر بھی مغرب کی نماز کا وضو کر رہا ہے، اور اب میرے برابر ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے والا ہے، اس لئے اب نماز کیسی، میں دل میں کہنے لگا کہ اللہ لوگو کے ایسے مذاق سے ہمیشہ بچانا جو وہ اپنے نقطۂ نظر سے کرتے ہوں، کیونکہ ایسے

ہی لوگ ہوتے ہیں جو انعام بھی اسی وقت دیتے ہیں جب ان کا جی چاہے اور جب ہم کو ضرورت ہو تو ٹال،

القصہ اب میں نے جُوں تُوں کر کے بے ایمانی سے ایک رکعت تو پڑھ لی لیکن موٹر کی واپسی کی آواز نہ آنی تھی نہ آئی، اس لیے اب تو ایسا محسوس ہونے لگا گویا کوئی پاس ہی کھڑا ہوا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ او بیوقوف! جلد نیت توڑ کر سامنے والے درخت پر چڑھ جا، اِدھر میں خود بھی نیت توڑ دینے کا بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا، مگر بس میری مردانہ غیرت تھی جو مجھ کو نیت توڑ دینے سے ذرا شرما رہی تھی اور میں کہتا تھا کہ یہ عورتیں ہو کر تو شیر ماریں اور تُو مرد ہو کر نماز تک سے بھاگ جائے، یہ سوچکر نماز تو پڑھنے لگا مگر شیر کا ڈر جو میری رگ رگ میں بھرا ہوا تھا تو وہ کیسے نماز پڑھنے دیتا،

خدا خدا کر کے نماز ختم ہوئی، مگر کلیتہً فرض نماز پڑھی لیکن اب نوافل اور سنتوں کے پڑھنے کا نہ حوصلہ نہ ایمان، اب تو جی چاہ رہا ہے کہ بس کسی درخت پر چڑھو، ورنہ یہ شیر آیا، کہ وہ موٹر کی آواز آئی، اور واقعی آئی، جب کامل اطمینان ہو گیا کہ موٹر آ رہا ہے یا آ رہی ہے تو اب میں نے سنتوں کی نیت اس ٹھاٹھ سے باندھی گویا میرے اوپر نہ جنگل کا خوف نہ تاریکی کا اثر اور شیر تو گویا میرے گھر کا

خانساماں ہے، یہ انداز اس لئے اختیار کیا تاکہ موٹر والوں پر میرا شکاری رعب قائم رہے، سو الحمدللہ کہ رعب پڑا اور میں نے موٹر آجانے سے کافی دیر بعد جب یہ دکھاوے کی نماز ختم کی تو ان لوگوں نے مجھ سے بار بار دریافت کیا کہ "کیوں ملّا صاحب ڈرے تو نہیں؟" اس پر میں اس طرح مسکرایا جس طرح بڑے لوگ موٹر میں سے کبھی کبھار غریبوں کا سلام لیتے وقت مسکرا دیتے ہیں، اور بے عقل غریب لوگ مسکرانے والے کے لئے طے کر لیتے ہیں کہ بڑا مہربان ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اصل مسکرانے والا وہ ہوتا ہے جو آپ کے گھر موٹر بھیجکر خود بلائے اور اپنے گھر پر مسکرا کر آپکا استقبال کرے، اس لئے میرے مسکرانے کے ان لوگوں نے بھی یہ معنی لئے گویا ملّا صاحب غضب کے بہادر آدمی ہیں، جو اس شیر کے جنگل میں تنہا نماز پڑھتے رہے اور نہ ڈرے،

خدا خدا کرکے گاؤں میں پہنچے، لذیذ تر، نفیس تر، قیمتی تر، بھاری تر، مرغن تر، کھانے کھائے، ایک دوسرے کی تعریفوں سے لبریز تقریریں سی ہوئیں، جام صحت سے تجویز ہوئے، ظاہر ہے کہ قدر دان دُنیا ملّا رموزی کو تقریر کا اہل بھی سمجھتی ہے، لہٰذا جام صحت کی تجویز کے ساتھ مجھ سے فرمائیش ہوئی کہ میں شیر کے تجربات پر تقریر کروں، چنانچہ ذیل کی سی تقریر شروع کی۔

"محترمین و محترمات!

بعد سلام مسنون آنکہ گذارش فدوی کی یہ ہے کہ فدوی کہنے کو تو افغان نسل ہے اور ثبوت میں نصف کے قریب پشتو اور نصف کے قریب فارسی جانتا ہے، لیکن فدوی کی اعلیٰ تعلیم و تربیت چونکہ کانپور اور لکھنؤ میں ہوئی ہے اور مضمون نگاری کا آغاز ولایات متحدہ الہ آباد کے اخبار "مساوات" مرحوم سے ہوا ہے، لہذا اس یکسر غیر جنگی ماحول کے اثر سے میرا دماغ خالص ریشمی و اطلسی دماغ ہو کر رہ گیا، اُوپر سے بیویاں ملیں تو وہ میرے مضمون تک سے خواہ مخواہ ڈرنے والی، اسی لئے چھوٹی بیوی سے اب دُور ہی سے سلام دعا ہے اور بس، اس لئے رہی سہی بہادری بھی جاتی رہی، تیسرے فدوی تو مفلس تھا ہی اُوپر سے قوم بھی ملی تو مفلس، اس لئے آئے دن کے تفکرات نے دماغ کی حوصلہ مندی کو تباہ کر دیا، بس اب گویا بجز خواجہ حسن نظامی مدظلہ کے تعویذوں کے میں کوئی کام ہی نہیں کرتا نالیاں، پھر بھی آپ ایسے قدردان رئیسوں، امیروں کیساتھ جو شیروں کے شکار میں رہا تو ذیل کے تجربات حاضر ہیں:۔

مثلاً سب سے کامیاب اور معقول تجربہ یہ ہے کہ شیر کے شکار ہی کو نہ جائیے،

انشاء اللہ شیر کے ہر خطرہ سے محفوظ رہئے گا (قہقہہ)

دُوسرا تجربہ یہ ہے کہ شیر کے شکار میں تین دن بھوکا رہ کر جائیے تاکہ مچان میں

کھانسی، چھینک اور پہلو بہ پہلو بدلنے کی طاقت ہی نہ رہے (قہقہہ اور تالیاں)
تیسرا تجربہ یہ ہے کہ مچان میں کسی ایسی خاتون کیساتھ ہرگز نہ بیٹھئے جن کو پھوپی جان کہا جاتا ہو، (مسلسل تالیاں اور پھوپی صاحبہ کا تاؤ ملا ہوا قہقہہ)
چوتھا تجربہ یہ ہے کہ شیر کے شکار میں چھوٹی بیوی کو زیادہ یاد کیجئے ڈر دور ہو جاتا ہے،

پانچواں تجربہ یہ ہے کہ جب شیر سے اچانک ٹکّر ہو جائے اور وہ آپ کو تاؤ دلانے لگ لئے لاکھ بُرا بھلا کہے مگر آپ ساکت کھڑے رہیئے، حرکت نہ کیجئے، مُنہ سے ہو سکے تو ڈانٹتے رہیئے، لیکن حرکت کی نہیں کہ آپ بحق گورنمنٹ ضبط،
چھٹا تجربہ یہ کہ کھُلی گاڑی میں سے شیر پر بندوق نہ چلائیے، جھپٹ کر آنے والے شیر کو ڈانٹ کر پہلے روک دیجئے، پھر بندوق رسید کیجئے، زخمی شیر کی تلاش پر اگر جاگیر بھی ملتی ہو تو نہ جائیے، اپنے مچان میں کسی کو ساتھ نہ بٹھائیے، ہو سکے تو مچان میں دس دن کا کھانا پانی لیکر بیٹھئے (تالیاں) مچان پر بیٹھتے ہی پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھتے رہنے کا عہد کر لیجئے، شیر کے شکار میں بندوق کا لائیسنس گھر چھوڑ جائیے، تاکہ شیر سے زیادہ دماغ پر پولیس کا خوف غالب رہے، شیر کے سامنے درخت پر چڑھنے کی کوشش نہ کیجئے، آپ کیساتھ اگر کسی سے شیر لپٹ جائے تو شیر

فوراً بندوق مار دیجئے، یہ انتظار نہ کیجئے کہ شیر علیحدہ ہو تو بندوق ماریں، ورنہ اسی انتظار میں شیر ملا رموزی کا تصفیہ کر دیگا، اگر شیر آپ کے درخت پر چڑھنے کی کوشش کرے تو آپ خود سے نیچے گرنے کی کوشش نہ کیجئے، (تالیاں) بکرا کھا جانے سے پہلے شیر کو مار ڈالئے تاکہ بکرے کی قیمت کی بچت سے وزیر مالیات خوش ہوں اور آپ کی تنخواہ میں اضافہ فرمائیں۔

نادرہ نام کی ہر رئیس زادی کے ساتھ شیر کے شکار میں شرکت کیجئے، تاکہ ہر طرح کا آرام پائیں اور شیر سے بال بال بچ جائیں (قہقہہ)"

یہاں تک تقریر پہنچی تھی کہ پھر موٹر آیا، میں نے کہا، کیوں؟ فرمایا، "چاندنی کی تفریح ہے اور "ڈرائیو" کو چلئے"

شب کی خنک ہوائیں، میدانی جنگل، نشیب و فراز، چاندنی سے جگمگائے ہوئے جنگلی پھولوں اور چٹکی ہوئی کلیوں کی خوشبو، ادھر بیوی ں کے غم سے دماغ فارغ، آدمی تھا میں سائیکل سوار، اب جو اس فردوس نظر صحرا میں ایک قدردان جماعت نے یہ صحرائی سیر کرائی تو میرے دماغ کا ہلکا پن ملاحظہ ہو کہ جی چاہنے لگا کہ اسی میدان کے ہو کر رہ جایئے، مگر جیسے ہی خیال آیا کہ کل سے پھر وہی نا قدر دان بیوی بچے ہونگے اور وہی نیم مردہ سائیکل تو ہوش آگیا

گہری نیند سو رہا تھا کہ انگریزی قاعدہ سے ٹھیک سترہ بجے اٹھا دیا گیا، کیونکہ اس وقت محترمہ بیگم صاحبہ کے شیر مارنے کی باری تھی، مچان پر پھر لرزتے، کانپتے، ہانپتے اور دعائیں پڑھتے ہوئے جا بیٹھے، مگر دل میں قرآن پاک کی قسم سے قریب کی قسم کھالی تھی کہ وہ قدردانی نہیں سلطنت بھی ملے تو شیر کے شکار کا ارمان بھی نہ کرونگا، مگر اب کیا کرتا کہ خود فرمائش کر کے تو یہاں آکر مرا تھا، مچان پر بیٹھے ابھی سفیدۂ صبح بھی کافی نمودار نہ ہوا تھا، شیر بھی نظر سے غائب تھا، مگر قانون یہ شروع ہو گیا کہ گلا گھونٹ کر مر جاؤں مگر نہ کھانسی سے کام لوں نہ چھینک سے، نہ انگڑائی سے نہ جماہی سے، نہ پہلو بدلوں نہ حرکت کروں چاہے مچان کی لکڑیاں میری ہڈیاں توڑ ڈالیں،

لہٰذا میں نے ہر چیز کو ضبط کرنا شروع کیا اور ادھر فطرت نے اپنا اٹل مذاق شروع کر دیا، یعنی اب کھانسی بھی تیار اور چھینک بھی بیتاب، انگڑائی بھی موجود اور حرکت کرنے کو دماغ بھی مشتعل، میں نے رعب ڈالنے کو بیگم صاحبہ سے کہا کہ :-

"میں بڑے بڑے انگریزوں کے ساتھ مچان پر بیٹھا ہوں مگر انہوں نے تو کبھی انگڑائی سے منع نہیں کیا۔"

بیساختہ فرمایا "جی ہاں، مگر میرے ساتھ گوں ہی بیٹھے رہیئے"

شیر صاحب پورا بکرا ہضم فرما کر خدا جانے کس سرکاری کام کو تشریف لے گئے تھے، کہ ادھر کا رُخ بھی نہیں فرماتے تھے، اس لئے میں نے دل میں یہ نمک حلالی شروع کر دی کہ دعا کرنے لگا کہ یا اللہ اگر شیر ہو بھی تو تو اس کو آج تو یہاں سے بھگا دے اور جب میں خیریت سے اپنی چھوٹی بیوی کو دیکھ لوں تب اسکو یہاں بھیجدینا، لیکن اگر میری دعائیں ایسی ہی قبول ہوجایا کریں تو چھوٹی بیوی مجھ سے دور کیوں رہتی، لہٰذا شیر آیا، اماں آیا وایا کہاں بس کچھ کھٹر کا ہوا نہیں کہ بیگم صاحبہ بندوق تان کر اور میں اللہ خیر کرنا کہنے کو یوں تُل کر بیٹھ گئے کہ کوئی دس منٹ تک جیسے ہم دنیا ہی میں نہ تھے، جب شیر کا شبہ تک مٹ گیا تو بڑے گہرے گہرے اور تھکے ہوئے سے سانس لے کر ذرا سیدھے بیٹھے ہی تھے کہ یہ اللہ کا بندہ سامنے ہی سے لمبی انگڑائی لے کر آ ہی تو گیا، اب بیگمات کے بندوقی نشانے صحیح نہ ہوں گے تو کیا گاندھی جی اور جواہر لال ایسے ستیہ گرہ والوں کے صحیح ہونگے، لہٰذا ادھر انگلی کا اشارہ اور اُدھر شیر صاحب کی وفات،

میں نے بیساختہ یہ مصرع پڑھا ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد شیر تھا!

مبارک سلامت کے بعد ہی شیر کے سامنے شیر کی تصویر لی گئی، جب یہ تصویر بازی میں مصروف تھے تو میں نے ایک طرف ہٹ کر زور زور سے کھانسنا اور انگڑائیاں لینا شروع کر دیا، یعنی کھانسی اور انگڑائی کا جو ذخیرہ مچان کی احتیاط میں ضبط کیا تھا اس کو پورا کیا،

اب محترمہ بیگم صاحبہ کا اصرار تھا کہ اس پورے موسم میں آپ یہیں قیام فرمائے رہیں اور میں کہتا تھا کہ " اب آؤں تو رام دہائی "۔ اب آپ جلتے ہیں کہ راحت، آرام، سکون، دولت اور چھوٹی بیوی مل جانے کا ارمان پورا نہیں ہوتا مگر رات دن جلنے، کڑھنے، بیویوں کے جھگڑوں کے تصفیوں اور چھوٹی بیوی کے نہ بولنے کے صدمے سہنے کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا موٹر ملا، ریل ملی اور گھر آ گیا،

خدا ان تمام علم دوست، علم نواز، علم پرور لوگوں کو تادیر سلامت رکھے جنہوں نے میرے یوں ناز اٹھائے، سب کو درجہ بدرجہ سلام، پھوپی صاحبہ کو کچھ بھی نہیں، نادرہ کو دعا، آئندہ شیر کے شکار میں جاؤں تو خدا مصطفےٰ کمال پاشا کا سا میرا حشر کرے، آمین!

وفد بارش

محترم ساون صاحب صدر وفد بارش!

سرکاری استقبال کے بعد میں کروڑوں غریبوں، گداؤں، بے نواؤں، محتاجوں، مسکینوں اور مزدوروں کی طرف سے آپ کی گرامی مرتبت خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں، اور نہایت ادب سے اپنی معروضات کے لئے التماس ہے کہ جس وقت آنحضور بارش کا وفد لیکر ہمارے ملک ہندوستان میں تشریف لانے کی تیاری فرما رہے تھے، عین اسی وقت ہندوستان کے کئی کروڑ باشندوں کی انجمن نے جناب کے استقبال کے لئے مجھ ناچیز کو اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا، اس لئے میری ذمہ داری کی کامیابی کا ذریعہ یہ ہے کہ میں بندگانِ ہمایوں فند کے سامنے ہندوستان کے بیشمار تنگدست باشندوں کے ان تاثرات اور حالات وحوادث کو پیش کردوں جو آنحضور کی تشریف آوری سے

رُونما ہوں گے،

عالی جاہ!

تمام دُنیا کے جغرافیہ دان اور علم طبقات الارض نیز ماہرین فلکیات واقف ہیں کہ ہمارے ملک ہندوستان کا محل وقوع خط استوار کی اس مہین لکیر کے شاید عین وسط میں ہے جو فرضی طور پر ہر جغرافیہ پڑھنے والے کو بھی فرضی طور پر سمجھائی جاتی ہے، اور جس کو پڑھنے کے بعد ہر شخص بھول جاتا ہے، اس لئے ہندوستان میں سُورج کی شعاعیں کچھ اس بے اعتدالی سے آتی ہیں جن سے یہاں کے باشندوں کی صحت یورپ کی صحت سے بدرجہا پست، کمزور، اور ناقص تر رہتی ہے اور خصوصیت سے ۱۹۲۸ء سے سُورج میں جو داغ پڑ گئے ہیں ان کے اب تک خالی رہنے سے اس بے اعتدالی میں جو اضافہ ہو گیا ہے، اس کا سلیس مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانی پہلے سے بھی زیادہ بیوقوف ہوتے جا رہے ہیں، جس کا اخلاقی ثبوت ہمارے ہاں کے ہندو مسلم فسادات ہیں، اور سیاسی ثبوت وہ فیڈرل نظام حکومت ہے جس پر آج تک اختلاف و بحث کا سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا، اور یہ اس لئے کہ ہم لوگوں کو اُونچی اور اچھوتی سُوجھتی ہی نہیں، البتہ آپس میں لڑنے مرنے کی روز سُوجھتی ہے، پس اس "جغرافیائی وجہ" سے چونکہ ہم لوگ ناقص العقل ہیں، مگر اس کا یہ

مطلب نہیں کہ ہم لوگ عورتیں ہیں، اس لئے آج تک یہ ہوتا رہا کہ جہاں ہمارے شاعروں اور ادیبوں کو محسوس و معلوم ہوا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں، انہوں نے فوراً ہی آپ کی مدح و ثناء اور تعریف و توصیف میں اشعار اور مضامین کے پُل باندھنے شروع کر دیئے، اور آج ادبیات اُردو کا وہی حصہ زیادہ شاداب، رنگین، وجد آفرین، عشق انگیز، اور حُسن افروز ہے جو برسات اور ساون کی گھنگھور گھٹاؤں سے متعلق ہے،

لیکن ہمارے شاعروں اور ادیبوں کا یہ طریق تعریف اُس وقت کا ہے جبکہ بلحاظ علم و عقل اور تحقیق و تفکر وہ گنوار لٹھ ہی دھرے ہوئے تھے، اور وہ بے سمجھے بُوجھے صرف لکیر کے فقیر بنے تھے، لیکن اب کہ بحمد اللہ گلی گلی اور کوچہ کوچہ مدارس عالیہ کھُل گئے ہیں اور قدم قدم پر بی اے پاس ہندوستانی مل رہے ہیں تو اب ناممکن تھا کہ ہم لوگ آنکھ بند کر کے ساون کی گھنگھور گھٹاؤں اور برسات کی شادابیوں پر تعریفی نظمیں اور افسانے ہی لکھتے رہتے، اس لئے ہندوستان کے غریب طبقات نے ایک ناچیز محقق کی حیثیت سے مجھے اپنا نمائندہ منتخب کر کے پابند کیا ہے کہ میں نہایت ایمانداری، دیانت اور جرأت سے حضور کی خدمت میں اُن نقصانات کی فہرست بھی پیش کردوں جو حضور کے قیام ہند کے زمانہ

میں ہم کو اور ہماری عزیز و محترم حکومت کو برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

حضور والا!

آپ کی تشریف آوری ہم لوگوں کے لئے صرف اس وجہ سے پُر لطف محسوس ہوتی ہے کہ آپ مئی اور جون کی جہنمی گرمی کے بعد تشریف لاتے ہیں، لہٰذا دو ماہ شدید گرمی برداشت کرنے پر آپ قدرتاً اور عادتاً اچھے معلوم ہوتے ہیں، اس لئے آپ کی تعریف میں جو نظمیں اور قصیدے کہے جاتے ہیں وہ محققانہ کے عوض خوشامدانہ بلکہ بے سمجھے بُوجھے محض نقل و تقلید عام میں ہوتے ہیں، لیکن اَب تو زمانہ ہے سمجھ بُوجھ کا، اس لئے مجھے اس جرأت کی اجازت دیجئے کہ میں حضور والا کے مُنہ پر حضور والا کے پہنچائے ہوئے نقصانات کو بیان کردوں۔

معلیٰ مرتبت!

مجھے حضور والا کے "برساتی وفد" کے دُوسرے ارکان عالیجناب اساڑھ صاحب، عالیجناب بھادوں صاحب اور عالیجناب کنوار صاحب کی خدمت گرامی میں بھی شکریہ و خیر مقدم کا ہدیہ پیش پہنچانے کی عزت و سعادت حاصل کرنے دیجئے، اور اجازت دیجئے کہ میں حضور والا کے ساتھ ہی ان تینوں جلیل القدر ارکان کی خدمت و برکت پر بھی اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کردوں،

چنانچہ جنتری کے قاعدہ سے ماہ اساڑھ کے اثرات یا ممدوح کے برساتی فیوض و برکات انگریزوں کے ماہ جون سے شروع ہو جاتے ہیں، شک نہیں کہ جون کی خالص جہنمی گرمی، موت آور لُو اور "حبس بیجا بجانا" کے عذاب میں آپکے اس مہینہ کی قدرے قلیل پانی کے چھینٹے لانے والی ہواؤں سے چند لمحوں کے لئے ہمارے کھولے اور جلے ہوئے جسم کو راحت محسوس ہوتی ہے، لیکن صرف اتنے فائدہ کے مقابل ماہ اساڑھ کی بے ضابطہ ہواؤں کے باغیانہ جھونکے غبار اور کوڑے کرکٹ کے جو انبار ہمارے دفاتر، محلات، مکانات، برتنوں، کپڑوں، تصاویر اور پانی کے کھلے ذخائر کو تباہ کرتے ہیں، اُن کی صفائی پر علاوہ روپیہ خرچ ہونے کے بعض گھرانوں میں پھوہڑ بیویوں اور صفائی پسند شوہروں میں جوتُو تُو مَیں مَیں ہو جاتی ہے، اگر اس کی تفصیلات کی سماعت کے لئے جھگڑا لے والے میاں بیوی کے مکان کے قریب حضور والا بھی مکان لے کر قیام فرمائیں تو امید ہے کہ ماہ اساڑھ صاحب کو ہندوستان میں تشریف لانے سے منع فرمادیں،

حضور گرامی!

آپکے محترم ساتھی جناب اساڑھ کو ہم لوگ بارش کا دیباچہ، مقدمہ،

اور مقدمۃ الجیش یا ور کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ دُنیا میں ہر چیز کا دیباچہ یا مقدمہ آنے والی چیز کی خوبی یا اس کی بُرائی کو ظاہر کرتا ہے، لیکن افسوس ماہ اساڑھ اپنی تشریف آوری سے آنے والی بارش کے صحیح حالات و حوادث، لطائف و مکروہات، منافع اور نقصانات کو واضح نہیں کرتا، حد ہے کہ یہ تک نہیں بتا سکتے کہ اس سال کی بارش ہوگی بھی، یا ہندوستانیوں کو اذانیں، نمازیں، صدقے کے بکرے اور دیوتا روں سے درخواستیں کرنا ہوں گی، تب بھی ہوئی تو ہوئی ورنہ کال،

تو ایسی صورت میں ہم نیم سے بھی زیادہ جاہل ہندوستانی آپ کے وفد کے ان محترم رکن سے بکمال احترام دریافت کرتے ہیں کہ پھر جناب کا بارش پیش خیمہ بن کر تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ یورپ کی جمعیۃ الاقوام کے بعض تحقیقاتی وفد،

پھر مزید جہالت کہ موصوف نہ فقط بارش کے آنے والے حالات سے ہم لوگوں کو بے خبر رکھتے بلکہ اپنے بے ضابطہ اور بے ترتیب سے ہوائی جھونکوں کے گرد و غبار میں بجلی کی کڑک چمک بھی لاتے ہیں، جس سے ہمارے بزدل بال بچوں، بدحواس نوجوانوں اور ضعیف القویٰ بوڑھوں کا مارے ڈر کے جو حال ہوتا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بعض نوجوان گریجویٹ مارے بیروزگاری کے بازاروں میں لوگوں کے جوتوں پہ پالش کر کے روزی کمانے پر تو فخر فرمانے لگے مگر نہ ملازمت کی

تو بجلی گھروں کی اور نہ سیکھا کام تو بجلی کا،

پھر اگر ماہ اساڑھ کے اتنے ہی نقصانات ہوتے تو ہم ایسے جنگ و پیکار اور جنگی حالات و مشاغل سے دور رہنے والے منشی جی قسم کے باشندگان ہند کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتے، لیکن آپ کے اس مہینہ کے یہ اثرات تو کسی طرح برداشت نہیں کیے جا سکتے کہ جہنم سے گرم ہونے والے جون کے مہینہ کی آتشین راتوں میں پانی کے چند چھینٹے گرا دیئے اور بس، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ مارے گرمی کے صحن اور کھلی جگہ سونے سے اچانک محروم کر دیئے جاتے ہیں اور رات کے اس منظر کو کس طرح بیان کیا جائے کہ پانی کے چند چھینٹوں سے آڑے، ترچھے، اونچے، نیچے، چھوٹے، بڑے، ہلکے، وزنی بستر مکانوں کی چھتوں کے نیچے لیکر بھاگتے ہیں، اس امید سے کہ اب پانی مسلسل برسیگا، لیکن بستر برداری کے اس "نیند شکن مشغلہ" سے فارغ ہو کر جہاں پہلی جماہی لی نہیں کہ پانی غائب اور حبس حاضر، گھٹن اور اُمس کا یہ حال کہ اگر چھت کے نیچے سے بستر لے کر صحن میں نہیں بھاگتے ہیں تو فقط دم ہی نہیں گھٹتا بلکہ مچھروں کے پیارے ملیریا کا عذاب مسلط ہوتا ہے اب چونکہ ہمارے طبقات میں ملازم، خادم، اردلی، چوکیدار، خانساماں، ملازمہ، خادمہ اور ماماپیں وغیرہ نہیں ہوتیں، اس لئے تمام شب پانی کے آنے اور نہ آنے،

گرمی کے ہونے اور نہ ہونے سے ہم لوگ بقلم خود اپنے اپنے بستر جس طرح اندر باہر لادے پھرتے ہیں، اس میں غنودگی سے لڑکھڑائے ہوئے بال بچوں کے بیچ میں گھر کے گھبرائے ہوئے مرغا مرغیوں اور بکرا بکریوں کا آجانا اور شور کرنا ایک ایسا رحم طلب منظر ہوتا ہے جو آنحضور نے ملک چین کے اُن آفت زدوں میں بھی نہ دیکھا ہوگا جن پر بحالتِ خواب جاپان نے بمباری کی اور جمعیت اقوام نے صرف احتجاج کیا،

معلّی مقام!

آپ کے محترم ساتھی جناب اساڑھ کی ہواؤں سے بعض لوگوں کو آشوبِ چشم کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے، گو اس سلسلہ سے بعض شرابی آنکھوں کا منظر حد سے سوا عشق انگیز ہو جاتا ہے، لیکن یہ حادثہ تو یوں برداشت کر لیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں کا حُسن، عشق کی قدر کرنے کے عوض دولت کی قدر زیادہ کرتا ہے اور اسی لئے بی اے پاس عاشقوں کو ترجیح دی جا رہی ہے، حالانکہ حُسن کی حیثیت سے زیادہ حیثیت کے عشق کے مکان پر حُسن کو خود جانا پڑتا ہے اور دولت مند عشق حُسن کی پروا بھی نہیں کرتا، مگر اس پر بھی حُسن کو ہوش نہیں کہ وہ کس کی غلامی میں روزانہ خود حاضری دیتا ہے، لیکن عام آشوبِ چشم سے اُن گھروں کا آرام تباہ ہو جاتا ہے جن میں دو چار بچوں کی آنکھیں متاثر ہو جاتی ہیں اور شاید یہی وہ مہینہ ہوتا

ہے جب مقام شملہ اور مضوری میں نہ فقط بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اور قرضدار ہو جاتے ہیں، بلکہ ہماری محترم حکومت کے مصارفِ سفر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، گویا آپ کے وفد کے رکنِ اوّل کے زیادہ اثرات نقصان رساں ہیں اور ہاں وہ ابھی مہینہ میں ہیضہ اور اس کا فرلطینہ نفع ہیں۔

لطافتِ نگاہِ صدر!

بحیرۂ عرب اور خلیج بنگال کی دشوار گذار اور طوفانی راہوں سے حضورِ عالی کا ہندوستان میں تشریف لانا ازبسکہ دوزخ میں فردوس کا اُتر آنا ہے، اور شک نہیں کہ حضور کے نزول اجلال سے ہمارے شکر و سپاس کی گردنیں جس طرح یورپ والوں اور امریکہ والوں کے آگے خم ہیں، اسی جذبہ فدویت کے ساتھ حضور کے سامنے بھی خم ہیں ؎

اگر قبول گر پڑے عجب عزت و بزرگی!

نزہت نگاہ!

شکر و سپاس کے فدویانہ فریضہ کے بعد میری نمایندگی کا فریضۂ اوّلین یہ ہے کہ میں حضور معلّیٰ کی آمد کی تشریف و نوازش کے لطائف و اثرات کو یکساں طور پر

بیان کروں، سو شک نہیں کہ حضور گرامی جاہ کی تشریف آوری پیداوار اور نباتات کے حق میں ایک ایسی رحمت ہے جس کے فیض و عطیہ سے روحِ حُسن بیدار و بالیدہ ہے، اور ہم غربائے ہند کی جُوار، مکئی، باجرا، اور چاول کی غذاؤں کے رنگین سبب آپ ہی ہیں، اب رہے گیہوں اور کپاس، سو وہ جتنی تعداد میں آپ ہندوستان میں پیدا کرتے ہیں آپ ہی جانتے ہیں کہ وہ اتنی ہی تعداد میں ہم غربائے ہند کو ملتے ہیں یا ہندوستان سے باہر چلے جاتے ہیں، البتہ شاداب و حسین فضاؤں کو پیدا کر کے حضور گرامی ہم ہندوستانیوں کے دماغوں میں وجد و کیف، نغمہ و موسیقی، شراب و عشق، مستی و سرجوشی، رنگینی و شادابی، جوانی و خوش فکری، اُمنگ، ترنگ اور آرزو کی جو بیتابی پیدا کرتے ہیں اس سے صحیح معنی میں کامیاب و بہرہ مند ہونے کے لئے جب ہم تیار ہوتے ہیں تو موٹر کاریں اور روپیہ ندارد، اب مزید بدنصیبی کہ ہمارے ہندوستان کے حُسن کا بھی یہ حال ہے کہ اوّل تو وہ یورپ ایسی جنّت ہی جنّت دوشیزگی اور شادابی سے محروم، پھر اُوپر سے جہل و ناقدردانی کا مارا ہوا، اس لئے آپ کی شاداب فضاؤں اور آبشاروں کی کوثر بہ کوثر لطافتوں سے فائدہ اُٹھانے کا اس کو نہ سلیقہ نہ شعور،

اب رہے ہمارے طبقہ کے خوش ذوق و خوش فکر نقّاد و مبصّر، سو وہ آپ کے

چمن پرور الطاف سے فائدہ اٹھائے جائیں تو کس طرح جبکہ ان کے پاس نہ موٹر نہ گرم سُوٹ، اگر کرایہ کی سائیکل پر جنگل اور میدانوں کی تفریح کو جاتے ہیں تو دیر ہونے پر سائیکل والے سے وہ طوفانی تُو تڑاق ہوتی ہے کہ کوتوالی جائے بغیر رہا نہیں جاتا، اب اگر غریبوں کا ذوق تماشہ اور شوق نظارہ کسی فاصل سے فاصل انسان کو تفریح کے لئے پیدل ہی لے جائے تو موٹر والوں کی نظر میں وہ قلی، مزدور، آوارہ، پاگل یا سی آئی ڈی معلوم ہوتا ہے، اور اسی لئے موٹر والے موٹر روک کر نہ اس سے مصافحہ کرتے نہ معانقہ، بلکہ اُلٹا یہ دیکھا ہے کہ اگر کوئی "بے موٹرا تفریح پسند" انسان کسی آبشار یا سبزہ زار کے قریب کھڑا سیر کر رہا ہو اور وہاں کسی مسلمان گھرانے کی پردہ دار عورتیں بھی موٹر میں آجائیں تو اُلٹا اسی غریب کو ڈانٹ کر وہاں سے بھگا دیا جاتا ہے، البتہ حضور محترم کی اس فیاضی کے ہم سب معترف ہیں کہ حضور کے زمانہ میں جتنی مچھلیاں ہم غریب لوگ پکڑ لیتے ہیں اتنی امیر لوگ کھا بھی نہیں سکتے، اور غریبوں میں حضور کے اس "مچھلی بخش کرم" ہی کا صدقہ ہے جو اکثر مچھلی خوروں کا معاملہ ہیضہ تک پہنچ کر رہتا ہے، مگر آنحضور کی چھوٹی بڑی مچھلیوں میں کمی نہیں ہوتی، پھر کرم بالائے کرم یہ کہ ہم غریبوں کے بعض "مچھلی دان" اور "مچھلی شناس" حضرات جو آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور دیہات کی بڑی بڑی ندیوں

پر جا کر تمام رات بغیر بندوق کے جال وغیرہ سے مچھلیاں پکڑتے رہتے ہیں، ان کو شیر، تیندوے اور سانپ بچھو سے آپ ہی کے بلے وردی فرشتے بچاتے ہیں، ورنہ یہ لوگ تو مچھلی کے شوق میں شہادت پانے اور وفات ہو جانے تک سے نہیں چوکتے اور مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے حلقہ کی پولیس!

سمندر پناہ!!!

شک نہیں کہ آپ کے پانی میں رنگ و جوانی، شباب و شراب آفرینی اور نزہت و لطافت کی جو مقدرت ہے وہ ہم ایسے افسردہ، مایوس، مغموم اور تھکے ہوئے باشندگان ہند کے حق میں سراپا حیات و جوانی ہے، مگر مصیبت یہ ہے کہ آپ گو بجلی کی کڑک چمک کے بغیر برستے ہیں مگر جس تسلسل و تواتر کے ساتھ برستے ہیں اس کا ایک نقصان اور تاؤ تو پوچھئے میری عزیز و محترم چھوٹی بیوی سے، اور دوسرا نقصان پوچھئے ان فیشن پسند مردوں سے جو اپنے انگریزی جوتوں کو روزانہ پالش سے حد سے سوا چمکیلا دیکھنے کے عاشق ہیں، مگر آپ کی مسلسل بوندیوں اور پھوار سے ان غریبوں کے جوتوں کی یہ چمک جیسی ضائع ہوتی ہے وہ کچھ ان ہی کے دلوں میں جا کر دریافت کیجئے، وہ تو غنیمت ہے کہ حضور معلی پانی بن کر ان کے جوتوں کا پالش خراب کرتے ہیں،

ورنہ آدمی کی صورت میں شدید خطرہ تھا، پھر حضور محتشم کی پھوہاروں کا یہ پُھس پُھسا سا سلسلہ اُن کے حق میں نہ موت ہے نہ رزق، جو مزاج کے بڑے نفیس و نازک مگر خرچ سے تنگ، ایسے لوگوں کے لباسوں اور رفام مکانوں میں ہر لحظہ جو نمی اور سیل بڑھتی ہی جاتی ہے اس کے تاؤ کے کھولاؤ سے یہ آپ سے نہیں بلکہ اپنی بیویوں سے جس طرح اُلجھ پڑتے ہیں اس کا صحیح اندازہ حضور والا ساون بن کر نہیں بلکہ غریب بیوی بن کر ہی فرما سکتے ہیں، مگر وہ تو شکر ہے کہ غربت کی وجہ سے معاملہ طلاق تک نہیں پہنچتا ورنہ دولتمند شوہر کے ہاں تو بیوی بھاڑ میں جائے یا جہنم میں اس کا تو روپیہ سلامت رہے اور تفریحات، یہ تو بیوی کی قدر و خوشامد کچھ وہی شوہر خوب کرتے ہیں جو بیوی سے دولت میں کم ہوتے ہیں،

دریا جناب!

حضور مکرم کی تشریف آوری پیداوار کے لئے کتنی ہی نافع سہی، مگر زراعت کے نیک اور مخلوق پرور جذبہ سے ہمارے جو کسان دیہات میں آباد ہیں اُن پر شہروں تک آنے کے راستے حضور والا جس احسان فرما انداز میں بند فرماتے ہیں، اس کی اذیت کو اُس کسان سے دریافت کیجئے

جس کی بیوی عین ساون کی جھڑیوں میں گھر سے غائب ہوگئی ہو، اور تھانہ تک جاکر رپٹ لکھانے کے لئے نہ گھوڑا کام دیتا ہو نہ گاڑی، یا پھر حکومت کی اُس پولیس سے پوچھئے جس کو ساون کی جھڑیوں میں دیہاتی قاتلوں اور ڈاکوؤں کی تلاش، گرفتاری اور سراغ رسانی کا فوری حکم دیا جاتا ہے، یا پردے پھٹے ہوئے لاریوں کے اُن مسافروں سے پوچھئے جو آنحضور کی جھڑیوں میں دیہات کا سفر کرتے ہیں، یا مجھ ملّا رموزی سے پوچھئے جو آں محترم کی جھڑیوں کی نمی سے تنگ آکر مضمون کے کاغذ کو لالٹین سے سینک سینک کر مضامین لکھتا ہے، یا اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے کاتبوں سے پوچھئے جو کاپی کے کاغذوں کو آگ سے سینک بھی نہیں سکتے اور لکھ بھی نہیں سکتے، یا غریب گھرانے کے اُن فوج فوج بچّوں کے والدین سے پوچھئے، جن کے شور و غوغا، لڑائی جھگڑے حضور کی جھڑیوں کے سلسلہ سے گھر سے باہر بھی نہیں کئے جا سکتے اور اُن کے شور سے نازک دماغ ماں باپ گھر میں چین سے بھی نہیں بیٹھ سکتے، یا اُن غریب دھوبیوں سے پوچھئے جن کے پاس بجلی اور آگ کا صحیح انتظام نہیں ہوتا اور مجبوراً کسی امیر کے کپڑے دھونے کا کام لے لیتے ہیں، یا اُن بھنگیوں سے پوچھئے جو حضور کی جھڑیوں سے

سرد ہو کر کسی غنڈے کے مکان میں تاخیر سے پہنچتے ہیں، یا اُن پری پیکر بھنگنوں سے پوچھیے جو دلہن کی عمر میں غلاظت صاف کرنے پر مجبور ہوتی ہیں اور آپ کی مسلسل جھڑیوں سے لجا لجا کر گھروں میں جاتی ہیں اور اوپر سے ساس کی ڈانٹ بھی سنتی ہیں، یا اپنی جھڑیوں کا اثر پوچھیے اُن گائے بیل اور بھینس بکریوں والے مکانوں سے جن میں دن بھر یہ جانور چراگاہ کی یاد میں چیختے ہیں اور گھر والوں کا دماغی سکون و توازن باقی نہیں رہتا، یا پوچھیے ملّا رموزی کے اُن دو بھائیوں اور ایک بھانجے سے جو اپنے ہاکی، فٹ بال کے میدانوں کو آپ کی جھڑیوں کے پانی سے تالاب بنا ہوا پا کر دن بھر گھر میں بیٹھے انگڑائیاں اور جمائیاں لیا کرتے ہیں، اور جو وقت گذارنے کے لئے کیرم، شطرنج کھیلتے ہیں، تو اپنے نیم مولوی بھائی ملّا رموزی کی ڈانٹ سنتے ہیں، اور جب اُن سے ہاکی اور فٹ بال کی ورزش چھوٹ جاتی ہے تو کم کھاتے ہیں اور زیادہ موٹے ہوتے ہیں جس کو انگریزی قاعدہ میں معیوب سمجھا جاتا ہے، یا پھر اُن مزدوروں سے پوچھیے جو حضور کی جھڑیوں کی بے چھت اور بے سایہ کثرت میں بھی کام کرتے ہیں اور مع اپنی بیگمات اور کالے کالے بچّوں کے پھر دن بھر کی ایسی سمندری زندگی کے بعد رات کو بھی نمی اور سیل سے لبریز کھنڈر والا

امیروں کے مکانوں کے سائبانوں کی کھلی ہوئی زمینوں، بند کانوں کی بے روک گنجائشوں اور تاریک تر کوٹھڑیوں میں نم خوردہ گودڑوں میں سوتے ہیں اور صبح کو حکیموں اور ڈاکٹروں کے منہ پر جا کر مارے نمونیہ کے کھانستے ہیں اور روتے ہیں،

یا پھر اُن بازاری بینڈ باجے والوں سے پوچھئے جن کی روزی اُن کا باجا ہے، مگر وہ مارے نمی کے بجتا کیا ہے خود باجے والوں کو بجاتا ہے، اور باراتی ہنستے ہیں، یا اُن غریبوں سے پوچھئے جن کے ہاں عقیقے ولیمے اور بارات کی تقریبات ہوتی ہیں اور حضور کی جھڑیوں سے ایسی تقریبات میں چھتریوں، خستہ حال برساتیوں اور پھٹے ہوئے کمبلوں کے سہارے شریک ہونے جاتے ہیں، اور گھڑیوں واپس آتے ہیں جیسے طوفانِ نوح کے بچے ہوئے مسافر ہندوستان میں گھس آئے ہیں، یا پھر اُن تانگے والوں یا تانگوں کے ٹٹوؤں سے پوچھئے جو حضور کی جھڑیوں میں دن بھر شوربہ بنے پھرتے ہیں، اور اوپر سے پولیس اور مسافروں کی گالی سنتے ہیں، یا پھر اُس ملا رموزی سے پوچھئے جس کو اپنے خام مکان کی دیواروں کے گرنے کی آوازیں نیند میں بھی آتی رہتی ہیں، یا جن کے

مکانوں کی دیواریں گر جاتی ہیں اور وہ مارے چوروں کے ڈر کے رات بھر دمہ کے بیماروں کی طرح کھانستے رہتے ہیں،

یا پھر ریل کے اُن چلانے والوں سے پُوچھیئے جو ۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار میں راستہ دیکھنے کے ذمہ دار ہیں، مگر مارے جھڑیوں کے راستہ سُوجھتا نہیں اور ناگاہ کسی بھینس پر ریل گاڑی چڑھا دیتے ہیں اور سزا پاتے ہیں،

ندی نالے پناہ!

اب طبی قاعدہ سے جن حوادث کو سمع ہمایوں تک پہنچانا چاہتا ہُوں وہ انسانیت اور انصاف کے نقطۂ عقلی کی رُو سے جس درجہ ناقابل برداشت ہیں امید کہ بندگان ذیجاہ کی انصاف گستر توجہ اس کا کافی اثر قبول کریگی،

مثلاً یہ ساونی جھڑیاں ہی ہوتی ہیں جو انسانوں کے پینے کے پانی کے ذخائر کو بے شمار بلاؤں سے لبریز کر دیتی ہیں، یہی وقت ہوتا ہے جب کنوئیں اور نل کا پانی ہم اثر ہو جاتا ہے، یہی وقت ہوتا ہے جب معدوں کے ہضم کا نظام برہم ہو جاتا ہے، یہ میری منجھلی بیوی سے پُوچھئے

کہ اس غریب کو اس موسم میں پرہیز اور غذا کی احتیاط میں اپنے دل و دماغ کا کتنا خون جلانا پڑتا ہے، انسان اگر عادتاً دو سیر کھاتا ہے تو سادنی سوء ہضم سے بچنے کے لئے حکیم اور ڈاکٹر نصف سیر بتاتے ہیں اور اگر ان کی نہ مانیں اور نہ سنیں تو یہ ہیضہ سے ڈراتے ہیں، حد ہے کہ دودھ، دہی، میٹھے، پھل، میوے اور گوشت تک سے ڈرایا جاتا ہے اور انگریزی کھانا بجز میری بیویوں کے مجھ سے کھایا نہیں جاتا، اور یہ اس لئے نہیں کہ میں کانٹے کو بائیں ہاتھ میں لے کر بھی دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کر دیتا ہوں، بلکہ اس لئے کہ میں کانگریسی آدمی ہوں، اس لئے سارے یورپ میں تو یورپ والوں کے لباس اور ان کے اصول پر ڈنر کھاتا ہوں، اور جب ہندوستان میں آجاتا ہوں تو یورپ کی ہر چیز کی مخالفت کرتا ہوں، اسی طرح سنا ہے کہ اسی موسم میں شراب خوار لوگ زیادہ پیتے ہیں اور تباہ ہوتے ہیں، وغیرہ،

میرے ناچیز خیال میں گو حضور عالی نشان کے نقصانات میں ان سے بھی دو چند دکھا سکتا ہوں، لیکن سمع مبارک کے تادیر متوجہ رہنے کی گرانی کے پیش نظر میں اپنے بیان کو مختصر کرتے ہوئے اتنی گذارش کی اور جرأت کرتا ہوں کہ ان حالات میں بھی میں نے یا میرے ہم پیشہ عرف ادیبوں، افسانہ نگاروں

اور شاعروں نے حضور انور کی شان میں جو قصیدے کہدیئے ہیں ان کو ہم لوگوں کی حماقت تصور فرماتے ہوئے یا ہمارے ملک ہندوستان کے تمام غرباء کو پہلے امریکہ کی طرح دولت مند بنا دیجئے پھر تشریف لائیے ورنہ گستاخی معاف ع

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

اور ہاں مکھیوں کی کثرت بھی حضور ہی کی تشریف آوری کا صدقہ ہے!

ایک سفریہ

جب بڑے سفر کا موقع نہیں ملتا تو میں ایک چھوٹی سی سفریہ کے لئے تیار ہو جاتا ہوں، تاکہ چار بیویوں کے مصارف اور پانچویں بیوی کی فکر و تلاش کی تھکن سے دماغ کو سکون حاصل ہو، اس لئے میرا انتظام عمل یہ تھا کہ میں سیرت اعظم کے جلسوں کے سلسلہ سے ہوشنگ آباد، اٹارسی، ناگپور، کامٹی، اور جبل پور میں تقریریں کروں گا، اور دعوت نامے بھی ان ہی مقامات سے آچکے تھے، کہ ناگاہ حضرت علامہ عبدالحلیم صدیقی بھوپالی سابق ناظم جمعیت علماء ہند کا مکتوب گرامی ملا کہ "میں مقام بھیلسہ علاقہ گوالیار میں بغرض تقریر آرہا ہوں، چاہئے کہ تم بھی ملو۔"

علامہ عبدالحلیم صدیقی نہ فقط ایک جادو بیان مقرر اور ایک متبحر عالم ہیں، بلکہ وہ ملا رموزی کے وہی اُستاد ہیں جن کے فیض علم و فضل نے آج

ملّا رموزی کو حضرت ملّا رموزی صاحب بنا دیا ہے، ورنہ موصوف کی محنت و توجہ سے پہلے یہی آجکل کے ملّا رموزی صاحب تھے، جو پہلوانوں کے دنگل دیکھتے پھرتے تھے اور "کریما، مامقیماں" بھی مشکل سے پڑھ سکتے تھے، پس اگر ان ہی علامہ عبدالحلیم صدیقی کے زیر سایہ نہ آجاتے تو آج کسی نہ کسی شہر میں "غنڈا ایکٹ" کے تحت دھرے ہوتے، اور ضمانت دینے والے بھی نہ ملتے اس لئے اپنے طویل سفر کے تمام تقریبی نظام کو برہم کرکے کلہم چار اسٹیشن فاصلہ کے سفر کے لئے یوں تیار ہو گئے گویا یورپ جا رہے ہیں، اور وہ بھی جناب سر آغا خاں کے ٹھاٹھ سے، کہ اب واپس آئے تو آئے ورنہ سوئیٹزرلینڈ ہی میں رہیں گے، اور وہ بھی بین الاقوامی مہمان کی حیثیت سے،

آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص کے دوستوں میں دو چار دوست ایسے ضرور ہوتے ہیں جنہیں نہ موت ملتی نہ رزق، اس لئے اگر ایسے بے رزقے دوستوں سے آپ جھوٹ کو بھی کہدیں کہ چلتے ہیں آپ میرے ساتھ فلاں سفر میں تو یہی وہ ہوتے ہیں جو قیامت کے خوف سے بھی انکار نہیں کرتے، اور آپ سے پہلے ریل کے اسٹیشن پر ٹہلتے نظر آتے ہیں،

ادھر چھوٹی بیوی کی جدائی اور بات نہ کرنے کے صدمہ نے میرے گھر کو

سنٹرل جیل جو بنا رکھا ہے تو تقریر کی دعوت تو بڑی بات ہے، آپ مشاعرہ میں بلا کر دیکھ لیجئے اگر مغرب کی نماز پڑھتے ہی نہ حاضر ہو جاؤں تو جو چور کی سزا وہ میرے مخالفوں کی سزا، اس لئے میں نے عادت کے موافق پہلے تو اپنے اُن دوستوں سے سفر کے لئے کہا جو میری تقریر پر جان دیتے ہیں، مگر شور بختی کہ ان میں زیادہ تعداد ایسوں کی ہے جو بال والے بھی ہیں اور بچے والے بھی اور آپ جانتے ہیں کہ اولاد کے بعد نہ جسم کا حُسن باقی رہتا نہ روپیہ، اس لئے میرے صاحب اولاد دوست تو میرے ساتھ رعایتی ٹکٹ ہی سے سفر کر سکتے ہیں یا پھر یکسر بے ٹکٹ، مگر اب جب سے کہ ریل والوں نے بے ٹکٹ مسافروں کو جنگل کے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر اُتار دینا شروع کر دیا ہے تو میرے ایسے شریف دوستوں نے بھی بے ٹکٹ جانے کی قسم کھالی ہے، لہٰذا اب تو میرے ساتھ وہی جاتے ہیں جن کا سُسرال مالدار ہوتا ہے اور بیوی نا فرماں بردار،

مولوی حیات مہری منشی فاضل کو فطرت کی غلط بخشی سے وہ ملازمت ملی ہے کہ ان کو اگر حبشہ کا تاج و تخت بھی دیجئے تو وہ مارے ملازمت کے اس کا چارج لینے بھی نہیں جا سکتے، اب رہے دُوسرے اور تیسرے دوست تو ان میں سے اگرچہ ایک دُوبے رزقتے تو نہیں مگر ہاں "بے سُسرالے" جو ہیں تو ظاہر ہے

پھران کی سہ ۳ گھنٹہ کی فراغت، وہ تو خدا جانے مجھ اکیلے ہی سے وہ کون سے بے شمار گناہ ہوئے تھے جن کے ثواب میں میرے دُبلے پتلے اور جا پانی کپڑے کے بنے ہوئے دامن سے یہ مظلوم چار جانیں باندھ دی گئیں، جنھیں لوگ باگ میری چار بیویوں کے نام سے یاد فرماتے ہیں، پس چار بیویوں کے شوہر ہو جانے سے ابلہ مجھے نہ رخصت علالت کا حق نہ رخصت اتفاقیہ کا، اور جو اُن کی بے اجازت جاتا ہوں تو عورتوں میں بے مروّت اور ظالم مشہور ہوتا ہوں، اِدھر کم لکھی پڑھی عورتوں میں میرے لئے یہ بے ثبوت خوف پہلے ہی سے بھرا ہوا ہے کہ میں ہر عورت کے لئے بے وجہ بھی کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا ہوں، تو ایسی حالت میں میرے لئے یہ چار قدم کا سفر بھی محال سا ہو رہا تھا، کہ بطریق ناگاہ مولانا حسن مدحت دُور سے تشریف لاتے نظر آئے، یہ ملّا رموزی کے بروزی بھائی ہیں، یعنی اگر ملازمت پر آ جائیں تو بال بچے بھی تہ و بالا ہو جائیں مگر دفتر کا ناغہ نہ کریں، اور اگر ترک ملازمت پر تُل جائیں تو وزارت ملے تو منہ نہ لگائیں، پس مارے خوشی کے جس طرح میں نے "السلام علیکم" سے پہلے ہی کہا کہ چلتے ہو ویسے ہی انہوں نے بھی "وعلیکم السلام" سے پہلے ہی کہدیا کہ چلو،

یہ واقعہ ہے تقریبا دو سفر سے پورے پانچ دن پہلے کا، مگر ع

اب دل کہاں ٹھکانے نام آگیا سفر کا!

اس لئے ہم دونوں کی روزانہ ملاقاتیں مارے خوشی کے جنّت کا نمونہ بنی رہتی تھیں، ہر دس بارہ باتوں کے بعد اس سفر کا کوئی دلچسپ پہلو سامنے لاتے تھے اور مست ہو جاتے تھے، خاص بات یہ تھی کہ میں نے تو مارے چھچھورے پن کے اُن سے کہدیا تھا کہ میں تقریر کروں گا، مگر انہوں نے ایسی بُرد باری اختیار کر لی تھی جس سے خوف پیدا ہوتا تھا کہ گویا یہ مسلّح بغاوت کا انتظام کر کے رہیں گے اب چونکہ یہ طے کر لیا تھا کہ اس سفر کو یورپ کا سفر سمجھتے رہیں گے اس لئے میں تو ہر شخص سے اس طرح ملنے لگا گویا بس یہ آخری ملاقات ہے، اب اگر خدا ہی حفاظت سے واپس لے آیا اور جنگ جرمنی یا بحری طوفانوں سے بچ گئے تو واپس آئیں گے ورنہ بھائی کہا سُنا معاف کرنا،

وہی لوگ اچھے ہیں جو سفر کے معاملات میں اپنی بیوی کے محتاج نہیں ہوتے، مگر یہاں تو معاملہ ہی دُوسرا ہے، ایک سے اجازت لیجئے تو دُوسری اور دُوسری سے تو تیسری، اور تیسری سے تو چوتھی، اور اب انگریزی قاعدہ سے پانچویں کا بھی حوصلہ کر رہا ہوں، اس لئے سمجھ لیجئے کہ بیویوں کے اس غدر شدہ کے مُنہ میں رہ کر قوم اور ملک کی خدمت کس طرح کر رہا ہوں؟ پس سفر تو بڑی چیز ہے وہ جو

چھوٹی کے گھر کی طرف ہی جاتا ہوں تو ولایت کے سفر کا مزا آجاتا ہے، اس لئے میں نے یہ سوچکر کسی سے کچھ نہ کہا کہ رات کے رات تو واپس آہی جاؤں گا، اس لئے دل میں "یا حق" کہا اور ریلوے اسٹیشن کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خدا نے عورت کو تاڑ جانے کی جو آنکھ دی ہے وہ ولایتی عینک والے مردوں کو بھی نہیں ملی، اور ہندوستانی لیڈروں کو اگر عورت کی یہ رازداں نظر مل جاتی تو آج یہ ہندو مسلم تعصب ہی کیوں نظر آتا، اس لئے ابھی شیروانی کے بٹن ہی لگا رہا تھا کہ آواز آئی:-

"کہئے کیا پھر کہیں کا ارادہ ہے؟"

میں نے جھنجلا کر کہا۔ "پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟" کہ دوسری آواز آئی۔

"جانے دیجئے جانے دیجئے، معلوم ہو ہی جائیگا کہ کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔"

اس آواز میں جو سی آئی ڈی پن تھا اس سے میں ذرا گھبرایا تو مگر فوراً ہی یوں سنبھل بھی گیا کہ اب مجھے بھی عورتوں کا ڈاکٹر ہی سمجھئے، جب کو کہئے ایک نظر ڈال کر بتا دیتا ہوں کہ یہ،

اب میں نے مناسب سمجھا کہ جس طرح بے روشنی کے سائیکل اور موٹر والے پولیس والے کے سامنے سے تیزی سے گذر جاتے ہیں اسی طرح میں ان بیویوں میں سے

گذر کر باہر ہو گیا،

مصیبت یہ ہے کہ عجلت کے وقت اول تو تانگہ ہی نہیں ملتا اور ملتا بھی ہے، تو ایسا گویا اس کا گھوڑا گھوڑا نہیں ہے بلکہ ملک چین کا کوئی باشندہ ہے، لہذا ایسے تانگہ میں سوار ہو کر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا گھوڑے کے عوض اس تانگہ کو ہم خود کھینچ رہے ہیں، اِدھر اکثر تانگے والے حد سے گذرے ہوئے غریب، محتاج، تنگدست، بال بچوں والے، یا پھر ان میں کے بعض حد سے گذرے ہوئے غنڈے، آوارہ، جاہل اور تو تڑاق والے ہوتے ہیں، لہذا گھوڑے کی اُلٹی، دھیمی، یا جان سے مار ڈالنے والی چال کے لئے اُن سے کچھ کہنا گویا اپنے ہی ازالہ حیثیت عرفی کا بندوبست کرنا ہے، حد ہے کہ آپ کیسا تھ کیسے ہی مہذب مہمان ہوں مگر جہاں اُن کے دل میں طے کئے ہوئے داموں سے کم دام اُن کو دیئے نہیں کہ یہ آپ سے او ر تانگہ سے باہر ہو کر یہ تقریر شروع کر دیتے ہیں،

"میں نے تو آپ کو اشراف آدمی سمجھا تھا اس لئے سواری کے وخت کچھ نہ کہا"

"اس میں کیا ہوگا، میں تو پورے دس آنہ لوں گا"

"اچھا صاحب ہم تو بیہودہ ہیں مگر آپ تو دام رکھ دیجئے ہمارے"

"کیا قرآن کی قسم ایک پیسہ کم نہ لوں گا"

اب ظاہر ہے کہ تانگہ کا جھگڑا سڑک ہی پر ہو سکتا ہے اور سڑکوں پر دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں، جو کوئی نہ گذرے، لہذا جہاں تانگہ والے کے جھگڑے کی تقریر سنی نہیں کہ سینما کا تماشہ شروع ہو گیا:-

"ابے شور کیوں کرتا ہے، جانتا بھی ہے کون صاحب ہیں"

"جی ہاں جانتا ہوں مگر پیٹ کو کہاں لے جاؤں"

"چوک سے آئے ہیں بیٹھ کر اور رستہ میں دو جگہ گھنٹہ گھنٹہ بھر کھڑے رہے حضور کے انتظار میں"

"خدا پاک کی قسم صبح سے گھوڑا الگ بھوکا ہے، اس پہ یہ دس پیسے دے رہے ہیں"

"اچھا صاحب تو اب آپ تانگہ کا نمبر بھی لے لو اور مجھ کو بھی پھانسی پر چڑھا دینا، مگر میں تو دس آنہ سے کم لوں تو اس کی بھی...... کیا کہنا ہے بڑے اشراف آدمی آپ ہی تو ہیں"

"اچھا تو جب جیب میں دام نہیں تھے تو تانگہ میں کیوں قدم رکھا آپ نے"

"اچھا آپ تو تھانہ میں چلئے ذرا داروغہ جی خود فیصلہ کر دینگے"

"میں سامان تو نہیں اُتارنے دُوں گا، اب چاہے آپ میرا تانگہ ہی بند کرا دینا، اور کیا تو"

"اب بھوکے تو مر ہی رہے ہیں آپ اور سزا دلوا دینا اور نہیں تو"

"اچھا تو آپ بیچ میں بول رہے ہو تو آپ ہی رکھ دیجئے دو آنے میرے، اور کیا تو"

"بس مُنہ چلانا آتا ہے آپ کو جیب میں دام بھی ہیں اتنے"

"ملّا صاحب آپ ہی دو آنے اور دیدیجئے وہ تو ہے گدھا بدتمیز"

"جی ہاں دام کے دام کھا جائیے اور ہم ہی گدھے بدتمیز ہیں، آپ تو بڑے کہیں کے...... تمیزدار آدمی ہیں"

"جی ہاں گورنمنٹ بھی آپ ہی کی ہے، بس تو پھر ہمارے بال بچوں کو سُولی پر چڑھا دیجئے، ارے ہاں تو"

بہرہ تانگہ والا اگر یہاں تک تقریر کر گذرے تو قانون دان آدمی ڈر جائیگا کہ کہیں مجھ پر "اشتعال انگیزی کا مقدمہ" نہ چل جائے، اس لئے تانگہ میں امن سے بیٹھنے کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو جو تانگہ والا مانگے وہ دیدیجئے یا پھر اپنا سامان خود لاد کر صحیح سے اسٹیشن روانہ ہو جائیے، راستہ میں جب

تانگے والا خود خوشامد کرکے سوار کرے تو بھی نخرے کے ساتھ تانگے میں رونق افروز ہو جیئے۔

(۲)

یورپ کے مشہور عالم مدبّرین اور قایدین میں زیادہ ایسے ہیں جو اپنی ابتدائی زندگی میں اخبار نویس، نامہ نگار، اور مضمون نگار رہے ہیں، چنانچہ انگلستان کے نامور صدر اعظم لائڈ جارج، روس کا قائد اعظم لینن، اور اٹلی کا موجودہ وزیر اعظم مسولینی شروع میں اخبار نویس رہ چکے ہیں، ترکی میں طلعت پاشا شہید صدر اعظم ترکی، اور مارشل عصمت پاشا صدر اعظم ترکی شروع میں مدارس حربیہ کے مدرس تھے، ملا رموزی بھی آٹھ برس تک ایک مدرسہ میں "ماسٹر صاحب" اور آجکل ایک اخبار نویس ہے، اس لئے میرے مدرسی اور اُستادی کے زمانہ والے اب بھی مجھے "ماسٹر صاحب" کہتے ہیں،

اس لئے میں جس تانگہ پر سوار ہوا اس کے چلانے والے مجھے "ماسٹر صاحب" کہنے والے تھے، لہٰذا تانگہ کی اُجرت طے کئے بغیر مجھے ریل تک جو لیکر چلے تو دس بارہ جریب آگے جاتے ہی گھوڑا اچانک اُلٹا چلنے لگا، میں نے مارے ڈر کے قل ہو واللہ پڑھنا شروع کیا، اور تانگے والے نے گھوڑے کو مارنا شروع کیا،

وہ جتنا مارتے تھے یہ اتنا ہی اُلٹا چلتا تھا، اور یہ جتنا اُلٹا چلتا تھا میں اتنا ہی زور سے وظیفہ پڑھتا تھا، مگر تانگے والے تھے کہ اُدھر بے تحاشہ گھوڑے کو مارتے تھے اور اِدھر مجھ سے کہتے جاتے تھے کہ "ماسٹر صاحب ڈرو مت ابھی سیدھا ہوا جاتا ہے"۔

مگر میں سوچتا تھا کہ خاصی مار کھا کر گھوڑا جب بھی سیدھا ہوگا تو پُوری قوّت سے بھاگے گا، اور اس بے تحاشہ بھاگ میں معلوم نہیں گھوڑا درخت سے ٹکرائیگا یا میں؟ مگر تانگے والے تھے کہ مجھ ایسے ذہین نظر والے اور دُور کی سوچنے والے کو برابر تشفّی دے رہے تھے کہ "کوئی ڈر نہیں ہے بیٹھے رہیئے"، کہ لیجئے وہ ترچھا چلنے لگا، میں دل مضبوط کر کے بار بار کہتا کہ "ارے بھئی، نیچے اُتر کر اس کو سنبھالو" مگر انھیں اپنے ضابطہ پر اتنا بھروسہ تھا کہ ہر لحظہ مجھی کو بُزدل سمجھکر ڈانٹ دیتے تھے اور گھوڑے کو مارے جارہے تھے، لہٰذا گھوڑا بھی آخرکار جاندار تھا، وہ ہر مار کیساتھ بھاگنے، بدکنے، اُچھلنے، کُودنے اور رُک جانے کے وہ وہ بے قاعدہ پہلو بدلتا تھا کہ میرا کلیجہ مُنہ کو آجاتا تھا، ایک مرتبہ تو تانگہ کے دونوں پہیئے ایک نالی میں یُوں اُتر گئے کہ میرے سامنے مکان کی ایک دیوار تھی اور دُوسری طرف گھوڑے کے بھاگنے سے موت کی تصویر، مگر تانگے والے

تھے کہ اب بھی اوپر ہی سے گھوڑے کو مار رہے تھے اور اس عرصہ میں انہوں نے میری تہذیب کی پروا کیئے بغیر گھوڑے کو جو فحش گالیاں دیں اُن کو سُنکر میں نے طے کیا کہ آیندہ ہر مجلس قانون ساز میں یہ سوال بھیجوں گا کہ :-

"براہ کرم حکومتیں بتائیں کہ جب وہ فحش مضامین، فحش اشعار، اور فحش اشتہاروں کو بحق حکومت ضبط فرماتی ہیں، تو کیا وجہ ہے جو وہ فحش گو تانگہ والوں کو ضبط نہیں فرماتیں، جن کی فحش گوئی سے تعلیم یافتہ افراد کے اخلاق پر مُضر اثر پڑتا ہے، اس لئے ہونا چاہیئے کہ آیندہ تانگے والوں کے لئے بھی کم سے کم مڈل پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے"

مگر پھر یہ سوچکر خموش رہا کہ اب جبکہ شوہر کے لئے بی اے پاس ہونا اور ملازمت کیلئے سند یافتہ ہونا ضروری قرار دیدیا گیا ہے تو بیروزگاری کے صدقے تانگہ والوں کے لئے کم از کم لکھا پڑھا ہونا بھی لازمی قرار پا ہی جائیگا، ورنہ اُردو ہندی جاننے والوں کو تانگہ چلانے کے لئے ترجیح دی جائیگی،

آج مارے گھبراہٹ کے ایک گھنٹہ پہلے ریل کے اسٹیشن پر جا پہنچا تھا، اس لئے تانگے والے نے اُجرت لینے میں کافی بحث فرمائی، اُن سے فارغ ہو کر ایک چائے کی دُکان پر جا بیٹھا،

یورپ میں چائے کی دکانوں عرف ہوٹلوں میں عشق و محبت کی ملاقاتیں ہوتی ہیں، مخبری، جاسوسی، زہر خورانی، اغوا، نکاح، شادی اور ولیمہ کی دعوتیں ہوتی ہیں، حکومتوں کی حکمت عملی اور بین الاقوامی مسایل پر زور شور کے مباحثے مکالمے، تنقیدیں اور تبصرے ہوتے ہیں، اخبارات پڑھے جاتے ہیں، مگر ہندوستانی ہوٹلوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ:-

"اللہ پاک کی قسم بال بال بچ گیا فجّو رات کو ورنہ میں نے مُنہ توڑ ڈالا تھا ایک ہی چانٹ میں۔"

"کیا ملّا رموزی کا بھائی، ارے قرآن کی قسم اشاق میاں کیا کہتے ہو وہ ایک نہیں دس ملّا رموزی کے بھائی کو لے آئے، مگر میں تو یہ کہتا ہوں اشاق پیارے کہ وہ مُنہ در مُنہ تو آئے۔"

"غفورا ذرا تو چپ رہ میرے یار بات تو کر لینے دے ٹھیک ہی مجھ کو پھر تو بھی کہہ لینا اپنی۔"

"قرآن شریف کی قسم میں اب بھی اس کو بہت ہوں، اشاق میاں پر کیا کروں کہ رات میرے پاس چھری نہیں تھی، بس دو سال کی تو جیل ہوتی نا، قسم خدا پاک کی ظہورا تو ہوتا تو ذرا دیکھتا اُس دھیٹرنی والے کو۔"

"مگر صاحب اس کو بھی ایسا ویسا مت سمجھو، کسی فکر ہی میں ہوگا وہ بھی!"

"ماشاءاللہ مولانا صاحب کیا سچی بات کہی ہے آپ نے، ابے ذرا شور تو مت کرو، اشتاق میاں قرآن پاک کی قسم اپنے ملا صاحب نے بھی وہ نام پیدا کیا ہے کہ سبحان اللہ، اچھے اچھے آنکھ نہیں ملا سکتے، خدا کی قسم اپنی تو جان حاضر ہے ملا صاحب آپ کے لئے، قرآن کی قسم آدھی رات کو حکم دو تو حاضر ہیں"

"ارے صاحب اور تو پیو"

کہ ناگاہ حسن مدحت نظر آئے اور ہم دونوں چودہ چودہ آنہ کا ٹکٹ لے کر ریل گاڑی میں بیٹھ گئے،

میں نے اس مختصر سفر کے لئے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ میں دل میں یہی سمجھونگا کہ یورپ جا رہا ہوں، اس لئے ریل چلی، خیال تو یہ تھا کہ ریل میں حسن مدحت صاحب سے پُر لطف صحبت رہیگی، مگر وہ یوں چپ ہو گئے گویا اُن کے ہاں آج مذاق دل لگی کی تعطیل ہے، اس لئے میں نے سمجھ لیا کہ وہ جو ہم دونوں خوش فکری، خوش ذوقی، اور لطافتِ خیال و نظر کی رنگین دولتوں کے مالک ہو کر آئے تھے، تو کنجوس فطرت نے ہم دونوں کو یہ سزا دی ہے کہ حسن مدحت بال بچوں اور میں

"اماں ہم سے کیا کہتے ہو، بیس وخت تو بھاگا ہے ہمارے سامنے وسکی رستمی تو کوئی ہم سے پوچھے۔"

"ابے برف تو اور ڈال کرلا، دو آنہ کا گلاس اور برف کے نام .....

لے لو پیارے ایک ایک گلاس کے چار چار آنے، تمہارا بھی یہی وخت ہے ورنہ قرآن کی قسم پھر کوئی نہیں پوچھیگا تم کو۔"

"منہ توڑ ڈالوں گا، ..... نقد دام دیتے ہیں تو مال بھی عمدہ لیں گے کوئی حرام کے دام ہیں۔"

"ارے وہ خود ٹیں ٹیں کر رہا ہے اس کو چپ کر پہلے ......"

"السلام علیکم۔"

"ابے یہ رات کو سنیما میں کیا جھگڑا کر رہا تھا تو؟"

"کچھ بھی نہیں حمید بھائی وہی قصہ تو کہہ رہا ہوں۔"

"ارے توبہ ملا صاحب معاف کرنا صاحب میں نے دیکھا ہی نہیں آپکو ابے ہمارے مولانا کے لئے بھی ایک گلاس لا جلدی۔"

"کہو صاحب لڑائی کی کوئی خیر خبر؟"

"مگر صاحب غضب کے اشتہار پڑھتے ہو آپ جب دیکھو بس اشتہار ہے

عشق کے غم سے خالی نہیں، اور احسان یہ کہ دونوں ناکام، اسی طرح خوش ذوقی زندہ رہتی ہے دولت سے اور وہ ملتی ہے ایسوں کو جن کو نہ شعورِ عیش، نہ سلیقہ فیض و بخشش، معنی یہ ہوئے کہ دونوں سفر اور لطفِ سفر سے اس درجہ "تنگ دست" تھے گویا ریل میں بیٹھتے ہی افسردگی کی موت طاری ہوگئی اور موت طاری نہ ہوتی تو ریل کے درجہ سوم میں ہم ایسے بلند نظر اصحاب علم و صلاحیت پر مسرت کہاں سے طاری ہوتی،

یہ تو جب ہوتا کہ کوئی قدردان ریلوے کمپنی اپنے عالی نظر شاعروں، مقرروں اور اصحاب لطافت کے لئے کوئی جنت کو شرمانے والی مخصوص ریل گاڑی بنا تی، اور ہمارے سفر کے لئے مخصوص کر دیتی، تو ہم بتاتے سفر میں خوش گفتاری کے نمونے، مگر یہاں تو عالم یہ ہے کہ ریلوے کے مالکوں کو خطِ عشق لکھوں تو سمجھتے ہیں کہ ہے کوئی فدوی دعاگو روپیہ چاہتا ہوگا، اس لئے تعریف کا خط لکھ رہا ہے، لہٰذا ایسی بے سمجھ ریلوں میں مذاق اور تفریح کے عوض ہم ایسے "خوش ذوقے" اگر اونگھنے لگے تو کیا خطا کی،

اِدھر پھر سفر بھی تو ملاحظہ ہو کہ کلہم چار اسٹیشن کا، گویا سفر کی صبح ہوئی نہیں کہ پھر بے سمجھ بیویاں اور نوکری کا بھاڑ، اور ایک غصہ میں تو ہم دونوں

ہمیشہ ہی مبتلا رہتے ہیں، وہ یہ کہ اچھا آج تو کہتے کو ہم نے ریل میں مذاق اور ظرافت سے کام نہ لیا، لیکن اس سے قبل کی تو ساری عمر مذاق ہی میں گنوادی، پھر صلہ کیا ملا، صرف یہ کہ ان کو بیوی بچے گویا اُلٹی کمائی اور ملازمت کی مصیبت، اور مجھے یہ کہ "ملا رموزی بڑے مذاقیہ آدمی ہیں، روتوں کو ہنساتے ہیں" یا پھر یہ کہ "ملا رموزی کے قریب ہی نہ جانا ورنہ مضمون لکھدینگے"

اب فرمائیے جب ہماری لطافت، ظرافت اور زندہ دلی کو جہالت کے زور سے یہ سمجھا گیا ہو اور وہ جاہلانہ صلے ملے ہوں تو پھر ہم دونوں ریل کی اس ذلیل سی سفریہ میں باغ و بہار بنتے تو کس طرح، حالانکہ یہ امر حقیقت ہی کہ حسن مدحت میں لطافت فکر و بیان کی ایک ایسی صلاحیت ضرور موجود ہے، جس کی اگر نوازش کی جائے تو ان کے افکار و مقالات سے ادب اُردو کا بہرہ لطافت شاداب ہو جائے، مگر صرف ہندوستانی ہونے کی وجہ سے یہ تک نہ ہوا کہ کسی قدردان نے اُن کو ڈنر پر اور مجھ کو ولیمہ ہی میں شرکت کی عزت عطا فرمادی ہوتی، تو آج ہم دونوں لطافت ہی لطافت نوجوان ریل گاڑی میں یُوں مرثیہ میر انیس بن کر تو بیٹھتے کہ جو دیکھتا وہ ہم سے پہلے ہمارے اُوپر رونے پر مجبور ہوتا، ہاں اس یکسر یاس و افسردگی اور بے سمجھی بُوجھی

موت سے بچنے کے لئے کبھی حسن مدحت اپنی ہی تنخواہ سے خریدا ہوا سگریٹ روشن فرما لیتے اور میں اپنی ناقدر دان برادری پر مرثیہ کہنے کے لئے ریل کی کھڑکی سے مُنہ نکال کر کچھ گنگنانے کی کوشش کرتا تھا کہ ناگاہ میرے مُنہ کے سامنے ایک معزز ہندو بھائی نے پنڈت موتی لال آنجہانی کے مشرقی آداب زندگی پر گفتگو شروع فرمادی، میں اس گفتگو کو غور سے سنتا رہا، اس میں سے میں نے ایک ہی خوبی کی گرفت کی، وہ یہ کہ ہندو قوم کے ہر فرد میں تہذیب و اخلاق کی اتنی بلندی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ باوجود اختلاف خیال کے بھی جب اپنے قومی کارکنوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو بے حد احترام اور بے اندازہ تعظیم کیساتھ، لیکن مسلمانوں میں اخلاق اور تہذیب کی پستی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اگر ان کو کسی سے اختلاف ہو جائے تو اول تو مُنہ پر ہی لاکھوں سُنا دیں اور ملاقات کریں بھی تو خالص منافقانہ یعنی دل میں کچھ اور مُنہ پر کچھ، اخباروں میں ایسی ایسی لکھیں کہ پڑھا نہ جائے، ایسے ایسے اشتہارات چھاپ دیں کہ تہذیب سر پکڑ کر بیٹھ جائے، غرض جس مسلمان کو دیکھئے مسلمان ہی کا ستایا ہُوا ملیگا۔

(۳)

اب جب ریل کے سفر میں اپنے ساتھیوں کے لڑنے سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ بھی

ویسے ہی خموش رہے جیسے میرے خطوط کے جواب میں میری چھوٹی بیوی، تو میں نے ریل کی کھڑکی سے مُنہ باہر نکال کر غزل کہنے کی کوشش کی، لیکن دماغ ہی تو ہے، سو جب یہ ناز اور نخرہ پر آجاتا ہے تو مسکراتا ہوا پھانسی کے تختہ پر تو چڑھ جاتا ہے مگر کسی کے اثر سے نہیں ڈرتا، اس لئے اس نے بھی غزل کہنے سے انکار کر دیا، اب صاف بات یہ ہے کہ میں جو ریل میں اپنے دماغ کو مصروف کرنے کی کوشش کر رہا تھا اُس میں راز صرف اتنا ہی تھا کہ میں تقریر کرنے کے خوف سے گھبرا رہا تھا، اِدھر یہ سُنکر اور پریشان تھا کہ اس مرتبہ مجھ سے پہلے اور بڑے بڑے بولنے والے بھی بولیں گے، اِدھر یہ بھی شرط تھی کہ تقریر" باغیانہ نہ ہو" اور مجھے میری وہی تقریر پسند آتی ہے جس سے بغاوت نہیں تو کم سے کم ہندو مسلم فساد ہی کھڑا ہو جائے، اور جو یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم ہندو مسلم فساد کا خطرہ ہی پیدا ہو جائے، تا کہ آجکل کی طرح کے بعض لیڈروں میں میں بھی شمار ہونے لگوں، تو قوم کے حقوق کی حفاظت کے نام سے کچھ نہیں تو چندہ ہی ہاتھ آئے اور روزانہ ریل کے درجۂ دوم ہی میں گھومتے پھریں اس سے صحت ہی اچھی رہیگی، اِدھر یہ مخملی اور بڑی بیوی کے خالی خولی نخروں اور اُن کے فرضی غرور سے محفوظ رہیں گے، مگر افسوس کہ دماغ سے تقریر کا خوف اسی طرح کم نہ ہوتا تھا جس طرح حکومت اسپین میں باغیوں کا اور چین میں جاپان کی فتوحات کا زور کم نہیں ہوتا،

اور کمینے کو ان کے خلاف لاکھوں بد دعائیں ہو رہی ہیں، مگر طاقت کے سامنے نہ تعویذ گنڈے کام آتے نہ بد دعا، اس لئے میں نے اپنی فطرت سے کام لیا، یعنی میری فطرت ہے کہ جس چیز کو خطرہ سمجھتا ہوں "یا حق" کہکر اسی کے منہ پر کود پڑتا ہوں لہذا میں جو تقریر سے ڈر رہا تھا تو میں نے اب تقریر ہی سوچنا جو شروع کر دی تو دماغ کو بھی بے حیا بن کر کام کرنا پڑا، لہذا میں نے سوچا کہ :-

(۱) مثلاً اس مرتبہ کی تقریر سے پہلے میں وہاں کے لوگوں سے بہت زیادہ اور مصنوعی طور پر پھول کر بات کرونگا، جیسا کہ بعض ہندوستانی اپنے غنڈے ملازموں سے تو ہنسکر راز تک کی باتیں کرتے ہیں اور جب مجھ ایسے ذی علم اور حاجت مندوں سے ملتے ہیں تو بڑے رعب داب والے بن کر، اس سے یہ ہوگا کہ وہاں کے باشندے تقریر سے پہلے ہی آدھے کے قریب مجھ سے دب جائیں گے،

(۲) مثلاً میں نے سوچا کہ اس مرتبہ جاتے ہی وہاں کے لوگوں سے میں اتنے موٹے موٹے اور گاڑھے عربی الفاظ بولوں گا جس سے وہ سہم جائیں گے کہ بلا کے ذی علم مولوی صاحب آئے ہیں،

(۳) مثلاً میں نے سوچا کہ میں جاتے ہی کہوں گا کہ میں آجکل پرہیزی کھانا کھاتا ہوں، جب لوگ کہیں گے فرمائیے فرمائیے وہ بھی تیار ہو سکتا ہے تو ایک آدھ عمدہ

قسم کی غذا تیار کرا لوں گا ،

(۴) میں نے سوچا کہ تقریر سے قبل خالص مذہبی مسائل پر گفتگو کرتا رہونگا جس سے میری مذہبی معلومات کا رعب طاری ہو جائیگا ،

(۵) ہر نماز جماعت سے پڑھوں گا اور طویل وظیفہ بھی ،

(۶) بہت کم مسکراؤں گا اور ہنسی کو بالکل ہی پیتا رہوں گا ،

(۷) افسر اور حکام سے قدرے مسکرا کر بات کرونگا اور عوام سے بڑے دیدبے سے ،

(۸) بے وقت تازہ پھل کھانے کا عادی ظاہر کروں گا ،

(۹) تحفے اور ہدیئے دینے کا ثواب بتاتا رہونگا ،

(۱۰) باتوں باتوں میں یہ بھی کہدوں گا کہ میرے پاس ایک سینہ بسینہ عمل ایسا بھی ہے جس کی برکت سے عورتوں پر آئے ہوئے جنات بھاگ جاتے ہیں ،

(۱۱) تقریر سے پہلے کھانسی سے کام لونگا، پھر ادھر اُدھر دیکھوں گا ، پھر مسلسل سفر اور مسلسل تقریروں سے تھکن ظاہر کرونگا، پھر پینے کو پانی طلب کرونگا پھر مجمع سے درود شریف پڑھواؤنگا، پھر کہیں تقریر شروع کرونگا، پھر تقریر یوں کرونگا

کہ اصل معاملہ پر چند جملے بول کر خلاف عقل ویقین حکایات، قصے، لطیفے اور بے بنیاد روایات سے لوگوں کو رلانے کی کوشش کرونگا اور اگر وہ نہ روئیں گے تو خود رونے لگوں گا، اور درود شریف پڑھواتے ہوئے اپنے لئے چلے طلب کروں گا،

(۱۲) جب مجمع رونے لگے گا تو یہ بھی کہدوں گا کہ اگر کوئی اور صاحب میرے وعظ کا بندوبست کراسکیں تو دو دن اور قیام کروں گا،

(۱۳) تقریر میں جگہ جگہ اشعار اور مثنوی سے بھی کام لوں گا،

(۱۴) پوپلی قسم کی ظرافت بھی خرچ کروں گا، اگر اس پر مجمع نہ ہنسے گا تو خود ہنسکر تقریر جاری رکھوں گا،

(۱۵) درمیان میں حکام کی اطاعت کی تلقین کروں گا اور پانی طلب کروں گا،

(۱۶) بیوہ عورتوں کی خدمت اور یتیموں کے مال کی حفاظت پر کچھ کہوں گا اور عورتوں کو شوہروں کی فرمانبرداری پر آمادہ کروں گا،

(۱۷) انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا مذاق اڑاؤں گا چاہے وہ نہ بن سکے، اس قسم کے عنوانات وافکار کے غوطے میں تھا کہ وہ بھیلسہ کا اسٹیشن آگیا،

میں سمجھا کہ ایک تیز رفتار جنگی جہاز کے ذریعہ فرانس سے آبنائے ڈوور پار کر کے میں لندن کے وکٹوریہ اسٹیشن پر اُتر کر "گارڈ آف آنر" کا معائنہ کرونگا، کہ آواز آئی "اسٹیشن بھیلسہ گاڑی پانچ منٹ ٹھیریگی"۔ میں نے صبر سے کام لیکر قدم بڑھایا اور اسٹیشن سے باہر جانیوالے دروازہ پر "قرنطینہ" بنا کر اس لئے روک دیا گیا کہ چھوٹے اسٹیشنوں پر اسٹیشن ماسٹر صاحب ہی ٹکٹ کلکٹری کا فخر بھی حاصل فرماتے ہیں اور وہ ریل کو بخیریت گذار دینے کے بعد، اس لئے تمام مسافران کے انتظار میں دروازہ پر بیٹھے جمائیاں اور انگڑائیاں لیا کرتے ہیں، میں نے اپنی اس ذلت کو دُور کرنے کے لئے حسن مدحت کی طرف دیکھا مگر وہ مجھ سے زیادہ رنجیدہ نظر آئے، تو میں نے "استقبالیہ جماعت" اور رضا کاروں وغیرہ کو جھانکنا شروع کیا، نیم تاریک سے دروازہ پر سے آواز آئی کہ "ٹکٹ لاؤ" گویا اسٹیشن سے کالا مُنہ کرو،

باہر نکل کر جب کافی مایوسی نے گھیر لیا تو ناگاہ حضرت حکیم صاحب قبلہ اور ناظم مجلس "ادبیہ" نمائندگان مجلس استقبالیہ نے استقبال کے فرائض انجام دیئے، اب مجھ پر ایک عظیم الشان جلسے اور شاندار تقریر کا خوف غالب ہونا شروع ہوا۔

ایک مکان پر فوراً ہی کھانا کھلایا گیا اور جلسہ میں آ گئے، میں بار بار سوچتا تھا کہ آخر ہم لوگوں میں ظرافت، زندہ دلی اور جوش مسرت کا وجود کیوں نہیں ہے، تو اس کا سبب نہ حسن بتا سکے نہ میں، گویا دونوں کے نصیب میں رات بھر جاگنے اور بیویوں کو خفا رکھنے کی سزا لکھی تھی، جس کو وہ سگریٹ پی پی کر اور میں تقریر سوچ سوچ کر کاٹ رہے تھے، البتہ دو بجے شب کو جب ریل میں واپسی ہوئی اس وقت وندھیاچل کے پہاڑی سلسلہ کا وہ حصہ مجھے قدرے قلیل لطف دے گیا جہاں کسی زمانہ میں میری رنگین شاعری کے دو چار بُت نصب کئے جائیں گے، خدا ان بُت نصب کرنے والوں کو تادیر سلامت رکھے اس کے بعد میں نے تقریر کی، زیادہ روٹی اور روپیہ نہیں نہیں توبہ، زیادہ حدادب!

شکائیت!

لفاظی اور ہزل نگاری عرف شاعری میں اس کا وجود اتنا ہی ہے جتنا ریل کے درجۂ اوّل اور درجۂ دوم کے مقابل درجۂ سوم میں کسانوں کا ہجوم زیادہ ہوا کرتا ہے، درجۂ دوم کے مقابل درجۂ سوم میں کسانوں کا ہجوم زیادہ ہوا کرتا ہے، ہمارے شعراء نے اس لفظ کو کمی، ظلم، ستانے، مطالبہ پورا نہ کرنے، صورت نہ دکھانے عاشق کے خط کا بے رنگ جواب تک نہ دینے، غرض کسی کمزوری اور کمی کے اظہار کے معنی میں لکھا ہے، بعض کھانسی کی حد تک پہنچی ہوئی عمر والے شعراء نے اسے عداوت اور دشمنی کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے، مثلاً ؎

آزادہ رو ہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کسی سے کوئی شکائیت نہیں مجھے

فی الجملہ اس کے دو معنی زیادہ مستعمل ہیں، ایک کسی شخص سے اس کی خطا، کمی، کمزوری اور غلط کاری کا اظہار کرنا، دوسرے عداوت اور مخالفت کا اظہار کرنا۔

اب "شکایت" کے اظہار کے جو طریقے عام طور پر دیکھے گئے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ پُرلطف طریقہ پولیس والوں کا ہے، مثلاً کسی پولیس والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ شب کو بھیس بدل کر اپنی اصل بیوی کو تنہا سوتا چھوڑ کر کسی دُوسری بیوی کے گھر اس طرح جاتے ہیں کہ آپ کے پاس لالٹین، لیمپ، فانوس، قمقمہ اور سرچ لائٹ نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی بلکہ اُوپر سے آپ کی جیب میں یا کوٹ کے نیچے چھُرا، تلوار، طمنچہ، پستول، ریوالور، یا کم سے کم سوا چار آنے والا چاقو اس لئے ہوا کرتا ہے کہ اس خفیہ بیوی کی گلی میں اگر کسی ملازموذی نے آپ کو روکا، تو آپ ان تمام دھار دار آلات میں سے ایک نہ ایک قسم کے آلہ سے اس کو زخم پہنچائیں گے، مگر اس خفیہ بیوی کے گھر میں ضرور گھُس جائیں گے، کیونکہ عام طور پر ایسے گھروں کے والد اس وقت سینما یا تھیٹر میں ہوتے ہیں اور مکان کی حفاظت صرف ایک دُو غنڈے سے قسم کے ملازموں کے ذمہ رہتی ہے، اور اکثر اوقات اسی قسم کے غنڈے ملازم مکان میں گھُس جانے کے لئے سب سے چوری ایک آدھ دروازہ اس طرح کھُلا چھوڑ دیتے ہیں گویا اسے بند کرنا وہ بھُول گئے تھے، اب معافی چاہتے ہیں، آئیندہ نہ کرینگے، تو ایسی صورت میں پولیس والے آپکا تعاقب کرینگے، روکیں گے، نام ولدیت، قومیت، سکونت اور جائیداد منقولہ وغیر منقولہ تک دریافت کرینگے،

البتہ اگر آپ کسی "بڑے آدمی" کے لڑکے ثابت ہوئے تو ان تمام ہتھیاروں کے باوجود بھی آپ کو اس طرح چھوڑ دیں، گویا ان کے علم ہی میں نہیں کہ آپ روزانہ رات کے وقت فلاں مکان میں داخل ہوا کرتے ہیں اور صبح سویرے ہی وہاں سے رخصت ہو جایا کرتے ہیں، اور جو کہیں بدقسمتی سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ ملّا رموزی ایسے غریب آدمی کے بیٹے ہیں تو پھر پولیس والوں کی شکایت یوں ہو گی کہ :-

"ابے چل آ گئے ہو"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں تجھے لفنگے کہیں کے"

"ہاں ہاں بتائیں گے تیرے باوا ملّا رموزی تک کو"

"اچھا تو بول اب تو سیدھی طرح چلتا ہے تھانے یا پھر تجھے اچھی طرح تھانے لے جا کر بتائیں"

"بس بیٹھ یہاں اور بتا کہ تو اتنے دن سے یہ آدھی رات کے وقت اس مکان کے آس پاس چکر کیوں لگایا کرتا ہے؟"

"اچھا مانتے ہیں کہ وہ خود بلاتی ہے تجھ کو"

"اچھا یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ اسکول کی پڑھی ہوئی ہے اور اس کی ملازمہ پر اس کے باپ کو پورا بھروسہ ہے، اسی لئے وہ اس ملازمہ کے ذریعہ ہی تجھے خط بھیجا کرتی ہے"

"اچھا اچھا یہ بھی سہی کہ اس کا باپ رات میں ایک مرتبہ بھی اپنی بیٹی کے کمرہ کی طرف نہیں آتا اور اپنے ہی کمرہ میں بیٹھا "پانیر اخبار" پڑھا کرتا ہے یا سنیما چلا جاتا ہے۔"

"اچھا یہ بھی سہی کہ تو نے اس کے باپ کے غنڈے ملازم کو روپیہ اور کپڑے دیکر اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور وہ تیرے لئے دروازہ کھلا رکھتا ہے"

"اچھا چل بے یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ اسکول جاتے آتے تیرے گھر بھی دو چار وقت آئی اور اس کی والدہ نے اس کی پروا بھی نہ کی۔"

"اچھا اس کے شعر اشتہاروں میں بھی چھپتے ہیں تو پھر ؟"

"اچھا ہماری طرف سے اتنا اور سہی کہ تو نے اسے پیانو باجا بجاتے بھی دیکھا اور اسے ٹھنڈی سڑک پر تفریح کرتے بھی دیکھا، اس نے تجھے سنیما کے دروازہ پر ہجوم میں اپنے ہاتھ کا رومال بھی دیا، اور اسی میں اس نے خط بھی رکھ دیا تھا، بلکہ اس کا فیشن ایبل بھائی بھی ان حالات میں اپنے فیشن کے لئے تجھ سے روپیہ لیتا رہتا ہے، اور ان حالات میں تیری مدد کرتا ہے، اور ہاں ہم خود دیکھتے ہیں کہ ماں باپ کی بے پروا مزاجی اور تعلیم دین کے نہ ہونے کے باعث لڑکیوں میں ایسے اطوار پیدا ہوئے ہیں اور ماں باپ الٹا فخر کرتے ہیں کہ ہماری لڑکی

تعلیم پارہی ہے۔"

"مگر تو یہ بتا کہ تو یہ چھری اور تلوار لیکر بغیر روشنی کے اتنی رات کو کیوں وہاں جاتا ہے؟ ابے معافی کیسی کل تجھے عدالت سے معافی ملے گی، تب معلوم ہوگا بیٹا یہ تلوار باندھنا۔"

ایک طریقہ شکایت کا یہ بھی ہے کہ آپ کے ننھے میاں کی والدہ ملا موزی کے ننھے میاں کی والدہ سے اپنے گھر کی دیوار پر کھڑی ہو کر یا اپنے گھر کی کھڑکی سے منہ نکال کر فرمائیں کہ۔

"دیکھا بیوی یہ تمہارے ننھے نے میرے بچے کے گال پر کیسا طمانچہ مارا ہے کہ اب تک اس کا نشان نہیں مٹا ہے۔"

"خیر تو اگر اس نے پہلے چانٹا مار دیا تھا تو تمہارا ننھا تو ہوشیار تھا، اسی کو ضبط کر لینا چاہئے تھا، یا وہ مجھ سے آکر شکایت کرتا تو خود اسی کے سامنے اپنے بچے کا مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیتی۔" اس پر ملا موزی کے ننھے میاں کی والدہ جواب دیں کہ "ماشاء اللہ، شرم تو آتی نہیں آپ کو، چلیں الٹی شکایت کرنے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ خود آپ کا بچہ ہے کتنا شریر"؟

"خود تو آتا ہے اور طرح طرح کی چالوں سے میرے بچے کو بلا کر ساتھ لے جاتا ہے

اور پھر کبھی جو وہ مار دیتا ہے تو بیوی دیوار پر آ کر مجھے ہزاروں سُنا جاتی ہیں۔"

"بس رہنے دیجئے میں نے بہت ضبط کیں آپ کے بچّے کی شرارتیں، اب کی اگر وہ میرے بچّے کو بلانے آیا کبھی، تو میں خود اُسے وہ سزا دُونگی کہ یاد کریگا۔"

"ہاں ہاں ہم اپنے گھر کے لاٹ صاحب ہی ہیں، تمہارے گھر کچھ مانگنے آئیں تو نہ دینا تم ہم کو۔"

اتنے میں آجائیں کہیں باہر سے مُلّا رموزی صاحب اور فرمائیں کہ کیا ہُوا، کس سے لڑ رہی ہو تم؟ تو اُن کے ننّھے میاں کی والدہ غضبناک ہو کر اپنے مُلّا رموزی صاحب سے کہیں کہ:-

"بس بس میں اَب نہ رہوں گی اس گھر میں کل سے۔"

"اس لئے کہ دیکھا آپ نے یہ نفیس پیشکار صاحب کی بیوی، ہوا کیا تھا، وہ آج کہیں ننّھے نے ان کے لونڈے کے ایک آدھ طمانچہ مار دیا ہوگا، اور بچّوں میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، بس اس پر دو گھنٹے سے مجھے وہ سُنا رہی ہیں اور میرے بچّے کو وہ بد دعائیں دے رہی ہیں کہ اگر آپ اُن میں سے ایک بھی سُن لیتے تو مارے غصّہ کے قابو سے باہر ہو جاتے۔"

"اچھا تو ابھی یہ جمیلہ بھی تو بیٹھی سُن رہی ہے، اسی سے پُوچھ لیجئے کہ میں نے

ایک حرف بھی مُنہ سے نکالا ہو؟"

"خدا کی قسم چُپ کھڑی سُن رہی تھی اور اس کے مُنہ میں جو آرہا تھا وہ سُنا رہی تھی، اور اُسے تو گھمنڈ ہے وہ پیشکار کا، ایسی تو وہ ہزار بار سُنا چکی ہے مجھے مگر میں نے آج تک آپ سے ایک حرف بھی اس کے خلاف نہ کہا، محض اس وجہ سے کہ آپکو بہت جلد غصّہ آجاتا ہے۔"

بس اتنا سنتے ہی ملّا رموزی صاحب کو تاؤ آجائے اور فوراً شیروانی سے باہر ہو جائیں اور جاتے ہی اُس گھر والی کے ملّا رموزی صاحب کو آواز دیں، جب وہ باہر آئیں تو اِس طرف کے ملّا رموزی صاحب اُس طرف کے پیشکار ملّا رموزی سے کہیں کہ:۔

"دیکھئے پیشکار صاحب! عرصہ ہوگیا ہے کہ آپ کے گھر کے لوگوں کی زیادتیاں بڑھتی ہی جاتی ہیں اور میں ہوں کہ بیٹھا ہوا سُنتا رہتا ہوں مگر آج تک کبھی آپ سے ایک حرف بھی نہ کہا، مگر آپ بتائیے کہ آخر میری بیوی بھی انسان ہے، وہ کب تک آپ کی بیوی کی ان زیادتیوں کو برداشت کرتی رہے؟"

"تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میری بیوی تو اپنے کان بند کر کے بیٹھی رہا کرے

اور آپ کی بیوی صاحبہ کے جو دل میں آئے وہ کہہ لیا کریں۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ ہاں میری بیوی بے قصور تھی، تو آپ خود کھائیے نا اپنے بیٹے کی قسم۔"

"استغفراللہ مجھے کیا خبر تھی کہ آپ اپنی بیوی کے اس قدر طرفدار ہیں، کہ اس کے لئے کچھ سُننا ہی نہیں چاہتے، سبحان اللہ کیا انصاف ہے آپکا، اچھا اچھا بہتر ہے بس تو ہم سے اب جو کچھ بن آئیگا کر دکھائیں گے۔"

"کیا کہا، اجی لاحول پڑھیئے بھائی جان بس بہت ضبط کیا، وہ تو کہیئے کہ اس مرتبہ بھی آپ کے ماموں جان بیچ میں آگئے تھے ورنہ اسی وقت فیصلہ ہو جاتا۔"

"اجی خاموش رہیں وہ جو آپ سے کچھ کم ہوں۔"

"ہاں ہاں چلّا کر تو کہہ رہا ہوں کہ آپ سے جو کچھ ہو سکے کر دکھلائیے، اماں کھڑا تو ہوں تمہارے سامنے۔"

"اماں دیکھ لی تمہاری بہادری، بس جاؤ گے ابھی بھاگے ہوئے داروغہ کے پاس۔"

اس کے بعد چند منٹ دونوں کچھ سے کچھ ہو کر یہ کہتے ہوئے سُنے جائیں کہ "بس نکل گئی ساری بہادری۔"

"ابے جا گدھے کے بچے۔"

"بس مُنہ ہی چل رہا ہے، اب۔"

"اچھا تو آجا پھر۔"

"ارے بھئی کیوں پکڑتے ہو مولانا کو۔"

"آپ کو کیا خبر کہ یہ کیسا خبیث انسان ہے؟"

"اماں داڑھی تو سائن بورڈ کی طرح بڑھائی ہے اس مردُود نے، مگر کوئی اس کی بدمعاشیوں کو دیکھے تب اسے پتہ چلے کہ مولویت کے جامہ میں کتنا بڑا شیطان ہے۔"

"بیشک دن بھر مسجد میں صدقہ کا بکرا بنا بیٹھا رہتا ہے، مگر آپ کو کیا خبر ہے کہ سارے محلّہ کے غریبوں کو اپنا غلام بنائے رہنے کے لئے کیسی کیسی پاجیانہ حرکت کا مرتکب ہوتا ہے۔"

"صورت دیکھئے تو معلوم ہو کہ بس محلّہ میں اس کے برابر ایک بھی نیک انسان نہیں، مگر اس کی بدمعاشیاں کوئی مجھ سے پُوچھے۔"

"کیا فرمایا آپ نے؟ اَرے صاحب یہ اس کا کمینہ پن، شیطانی، اور بدمعاشی کیا کچھ کم ہے کہ اس کو جس نے جھُک کر سلام نہ کیا، بس سمجھ لو کہ اُسی کا

دشمن ہے، اسی طرح جب تک ایک دو مسلمانوں کو آپس میں مقدمہ بازی پر آمادہ نہ کر دے، اسے روٹی ہضم نہیں ہوتی، یتیموں کا مال اُسے روا، بیوہ عورتوں کی جائیداد اسے حلال، غرض کیا کہوں، اور کیا آپ اس کی حرکات سے واقف نہیں ہیں، اماں پولیس تک کو اس کی حرکات کا علم ہے، مگر وہ تو کہو کہ سب اسکو پاگل اُلو اور خبطی سمجھ کر چھوڑے ہوئے ہیں، مگر وہ جو کہا ہے کہ بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی، ایک نہ ایک دن ایسی تیز چھری کے نیچے آئینگے کہ آواز تک بھی نہ نکلے گی، اور کام تمام ہو جائیگا، اللہ اکبر ایسا بدمعاش ہے کہ خدا کے گھر میں رہ کر اور ایسی حرکات کا مرتکب ہوتا ہے، اور بیوی صاحبہ آپ سے بھی دس گز آگے ہیں،"

"جی ہاں یہ سب کچھ بیوی صاحبہ ہی کا ظہور ہے، صاحب عورت کیا ہے بس یوں سمجھئے کہ دس مردوں کی ایک مرد ہے، اُفوہ میں نے بھی بڑی بڑی حرافہ عورتیں دیکھی ہیں، مگر جناب خدا اس مکّار کی بیوی سے بچائے، زبان تو اس کی ہے ہاتھ بھر کی، پھر وہ نہ جانے پردہ اور نہ سمجھے کسی کو چھوٹا بڑا، بس دن بھر ہے اور مکان کی دیوار پر کھڑی ہوئی آپ کی ہماری، ہے کہ بُرائی کر رہی ہے، اگر آپ کا بچہ اس کے بچے کے ساتھ کہیں خدانخواستہ کھیلتا ہوا نظر آجائے تو بس سمجھ لیجئے

کہ اس کو پہلے خود مارے گی اور پھر اس بچّے کے ماں باپ سے لاکھوں شکایتیں کر کے اسے پٹوائیگی، تب دم لیگی، اللہ اکبر غرض میں کیا کیا کہوں آپ سے"؟

"جی ہاں وہ سالے صاحب تو آپ سے کبھی آٹھ چھتے بلند ہیں، وہ میاں خود کو ہمیشہ سے کچھ اتنا ہی اُونچا لقمان اور سقراط بقراط سمجھتے ہیں کہ جواب ہی نہیں اُن کا، مگر حالت یہ ہے کہ چند جاہلوں اور غنڈوں کے سوا آج تک آپ کو کسی شریف انسان نے پُوچھا بھی نہیں، مگر خود میاں کا یہ خیال ہے کہ جو کچھ ہُوں بس میں ہُوں، اسی لئے تو آج تک محلّے سے آگے کوئی پُوچھنے والا بھی نہیں"

"اماں سچ کہتے ہو، بے غیرت ہے بے غیرت، مار کھاتا ہے مگر شرماتا نہیں"

ایک طریقہ شکایت کا یہ ہے کہ جہاں والد صاحب دفتر سے آئے اور خادم خاص نے دوڑ کر حضور کا جُوتا کھولا، کوٹ سنبھالا، "پانیر اخبار" ہاتھ سے لیا، پسینہ صاف کیا اور پاؤں دبانے بیٹھا تو فرضی طور سے آنکھوں میں آنسو بھر لایا کہ فوراً ہی اعتماد کرنے والے آقا صاحب نے دریافت کیا کہ:۔

"ابے کیا ہُوا غفورا؟"

"کیوں رو رہا ہے تُو؟"

"ابے کہہ تو سہی مردود؟"

اب غفورا نے کہا۔ "کیا عرض کروں حضور، میں ہی نمک حرام ہوں، چور ہوں، اور بدمعاش، مگر حضور کا نمک کھایا ہے اب کدھر جاؤں؟ وہ بات تو کچھ نہیں بس یہ ہے کہ اب بڑی بیا صاحبہ مجھ سے بے حد ناراض ہیں، اس لئے حضور اب مجھے تو اجازت دیجئے کہ میں اس گھر ہی سے کالا منہ کر جاؤں، بات کچھ بھی نہیں تھی خدا کی قسم، مگر بس آج کہیں میں نے اتنا کہدیا کہ بڑی بیا پان تو ختم ہو چکے ہیں حرف میاں کے خلصے کے دو چار پان باقی ہیں، جو وہ دفتر سے آتے ہی مجھ سے مانگیں گے آپ ٹھیر جائیے میں بازار سے لائے دیتا ہوں آپ کو، بس اتنا کہنا تھا کہ بڑی بیا صاحبہ نے مجھے لاکھوں گالیاں دیں، اور جوتا لے کر مارنے کے لئے دوڑیں، اب وہ مجھ سے اسی وقت سے ناراض ہیں، اور حضور ہزار کچھ ہو مگر بڑی بیا پھر حضور کی اولاد ہیں، وہ جو کچھ حضور سے کہدیں گی حضور اسی کو سچ سمجھیں گے!"

بس اس بدمعاش ملازم کا روگر اتنا کہنا تھا کہ بے خبر والد صاحب اپنی بیٹی سے بگڑ گئے اور فوراً نوکر ہی سے فرمایا۔

"بس بس جا اور بڑی بیا سے کہدے کہ وہ آج سے ہمارے سامنے بھی نہ آئیں، جب انہوں نے ہمارے خلصے کے پانوں کا بھی خیال نہ کیا اور پانوں کی اتنی شوقین ہو چکی ہیں تو ہمیں ان سے کوئی علاقہ نہیں؟ اور دیکھ خبردار جو

آج سے تو نے کبھی بڑی بیا کا کوئی کام کیا ہے، بس میرے کمرے کے سوا اُن کے کمرے کی طرف جانا بھی نہیں، سنتا ہے کہ نہیں، بس تو اُٹھ اور میرے غسل کا پانی تیار کر میں ابھی کلب جاؤں گا"

اب معصوم اور بے گناہ بڑی بیا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ اُن کے والد کے نہایت معتمد ملازم نے ان کے خلاف والد سے کیا حکم حاصل کر لیا ہے وہ آرام سے گھر میں بیٹھی ہوئی پیانو بجا رہی تھیں کہ ملازم آیا اور بڑی بیا کو بلایا بڑی بیا کا پردہ پہلے ہی سے اس نوکر سے نہیں تھا، اس لئے کہ گھر کا پروردہ تھا، اور والد صاحب اس پر بے حد اعتماد فرماتے تھے، اب جو بڑی بیا اٹھلاتی ہوئی آئیں اور فرمایا کہ:۔

"کیوں غفورا اس وقت تو نے مجھے باجے سے کیوں اُٹھایا؟" تو غفورا نے غصّہ کے لہجہ میں والد صاحب کا حکم سُنایا،

اب تو بڑی بیا کے حواس جاتے رہے اور گھبرا کر پوچھا کہ:۔

"غفورا کہہ تو سہی آخر میری ایسی کیا خطا دیکھی ابّا جان نے جو مجھ سے اس بُری طرح سے خفا ہو گئے ہیں"

غفورا۔ "بیا مجھے کیا خبر"

بیا۔ "ارے خبر کیوں نہیں، دن رات تو ہی تو رہتا ہے ان کے پاس۔"

غفورا۔ "تو بیا رہتا ہوں تو کیا، میں اُن کے دل کے حالات سے بھی خبردار رہتا ہوں؟ مگر ہاں اتنا معلوم ہے کہ دو چار دن سے وہ کچھ آپ کی طرف سے خفا ضرور ہیں اور آج آتے ہی مجھ سے یہ کہا، اب یہ تو آپ ہی سوچئے کہ آپ نے کیا بات کہی؟"

بڑی بیا۔ "غفورا خدا کی قسم مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں، اور نہ میں نے کچھ کہا نہ کچھ کیا۔"

غفورا۔ "خیر بیا اور تو کچھ نہیں، میں معافی تو دلا دوں گا آپ کو آج ہی، مگر آپ تو کہئے کہ وہ جو میں نے پرسوں آپ سے کہا تھا کہ آج اور چلئے میرے ساتھ سینما کا تماشہ دیکھنے، تو آپ نے یاد ہے کہ کس بُری طرح سے جواب دیا تھا مجھ کو؟"

بڑی بیا۔ ....

غفورا۔ "اچھا اچھا، بس بس! تو اب لیجئے آنے دیجئے حضور کو کلب سے اگر ایک منٹ میں آپ کو معافی نہ دلا دوں تو میرا ذمّہ، اچھا اگر میں معافی نہ دلا دوں تو خدا کی قسم آپ بھی پھر میرے ساتھ سینما نہ جانا۔"

"چلیں گے کدھر سے؟"

"لاحول ولا آپ بھی نئی بات کہہ رہی ہیں، اَے بیا اسی باہر والے کمرہ سے نکل کر، خدا کی قسم حضور تو اخبار پڑھتے پڑھتے ایسے سو جاتے ہیں کہ پھر صبح ہی کروٹ لیتے ہیں، ہاں تانگے والا میرا بڑا پکا دوست ہے، آپ تو ہر طرح اطمینان رکھو، اَے بیا وہی پہلا تانگے والا ہے جو آپ کو اُس رات کو لے گیا تھا، میرے ساتھ، پھر بتایئے کہ آج تک بھی خبر ہوئی کسی کو؟"

ان شکایات کے بعد دعا کرتے رہیے کہ خدا آپ کو آپ کی ذاتی ننھے میاں کی والدہ کی شکایتوں سے محفوظ رکھے، خصوصاً ننھے میاں کی تازہ والدہ سے، کیونکہ جس وقت تک یہ "نئی نویلی" ہوتی ہیں بس ۹۹ فیصدی شوہروں کے حق میں یہ مالیخولیا، مراق، خبط اور جنون بنی رہتی ہیں، جو ارشاد فرمادیتی ہیں شادی کی تازہ حماقت میں ڈوبے ہوئے شوہر صاحب اُسے پورا کرکے رہتے ہیں، پس اس کی شکایت کے جملہ طریقوں سے واقفیت حاصل کرنا تو وہ سقراط بقراط تک کو نہ آیا، لیکن چند طریقے ایسے ضرور ہیں جو محققین کے خیال میں آج تک دریافت ہو چکے ہیں، مثلاً اس کی شکایت کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک طریقہ یہ ہے کہ وہ شکایت اس طرح کرتی ہے کہ ہزار کسے اور دوربین

لگا کر بھی دیکھئے تو شکایت کبھی شکایت ہی معلوم نہ ہو،
مثلاً اس کی یہی "طبی اور ڈاکٹری ترکیب" ملاحظہ کیجئے کہ شکایت کرنیوالے
کا چہرہ، اس کی حرکات، اس کا لہجہ، الغرض یہ طریقہ شکایت کے وقت بدل جاتا
ہے، مگر یہ اللہ میاں کی بندی جب شوہر سے کسی کی شکایت کرنے چلے گی تو
کئی گھنٹے پہلے سے وہ اپنے چہرہ کو نہایت خوش اور فکر و غضب سے پاک بنائیگی
وہ نہایت مسرور انداز میں مسکراتی رہیگی، اور بعض اوقات تو وہ اس درجہ حکمت
سے شکایت کرگذریگی کہ اگر آپ ذرا غور سے کام لیں تو وہ ساری شکایت
کرگذریگی، مگر قانوناً آپ اس کا ایک حرف بھی شکایت کے سلسلہ سے گرفت
نہ کرسکیں گے، پھر الفاظ اور جملوں کے الٹ پھیر ادھر بر محل چسپاں کرنے کی جیسی
یہ "غیاث اللغات" واقع ہوئی ہے، دنیا کے کسی ایک نولکشور پریس نے
ایسی غیاث اللغات آج تک نہ چھاپی اور نہ چھاپ سکتا، مثلاً اسے اگر اپنے
شوہر سے یہ شکایت کرنا ہے کہ "تم نے ننھے کو جھولا جھلانے کے لئے کوئی عورت
ملازم نہیں رکھی" تو اس شکایت کو وہ ان الفاظ میں شوہر کو سنائیگی کہ ننھے
سے مخاطب ہوکر کہیگی کہ:-
"چپ رہو بیٹے وہ تو میں ہی فارغ ہولوں تو تمہیں جھولے میں لیکر بیٹھوں

ورنہ کیا تمہیں قاف سے پریاں آکر جھولا جھلائیں گی؟"

یا اسے شکایت کرنا ہوگی کہ تم مجھے کلب میں نہیں جانے دیتے تو اپنی ملازمہ کو مخاطب کرکے شوہر کو سنائیگی کہ:-

"چل چپ رہ میں کیا کروں اگر ملّا موزی صاحب کی بیوی کلب گھر گئی تھیں، میری قسمت میں تو یہ گھر قبر ہے سو ہے، بھلا قبر سے بھی کوئی نکل سکا ہے"

یا اسے اپنے شوہر سے اگر یہ شکایت ہے کہ وہ اسے کالے رنگ کا پمپ جوتا نہیں لا دیتا تو یہ اپنی ماما سے مخاطب ہوکر شوہر کو سنائیں گی کہ:-

"آہ خدا بخشے ہمارے میاں کو جب وہ تھے تو ہم سے پسند کرائے بغیر کبھی ہمارے لئے جوتا نہیں لاتے تھے، اور ان دیسی جوتوں کو تو ہم نے اسی گھر میں آکر دیکھا بھی اور پہنا بھی، ہمارے ہاں تو کوئی ان کا نام تک نہیں جانتا، ہاں ہم پمپ جوتے کی ہر قسم اور قیمت کو بے دیکھے بھی بتا سکتے ہیں مگر اب بتائیں تو کسے"

الغرض اس کی بیشمار شکایتوں میں سے سب سے خطرناک شکایت وہ ہوتی ہے جو یہ شوہر کے خاندان والوں کی شوہر سے کرتی ہے، ایسی شکایت کے لئے یہ ہمیشہ اس وقت کا انتظار کرتی ہے جب اس کا شوہر اس سے بہت زیادہ خوش ہو سکتا ہو، لہٰذا عین اس خوشی کے وقت کبھی کبھی اور کہیں کہیں نہایت

ہوشیاری سے خود کو قدرے سرگراں بنا کر کہیں گی کہ :-

"آپ جانتے ہیں کہ میری عادت ہی کسی کی شکایت کی نہیں، حالانکہ خدا آپ کا سایہ میرے سر پر رکھے ہزار بار کہہ چکے ہیں کہ تمہیں جب کسی سے کوئی شکایت ہوا کرے تو فوراً مجھ سے کہدیا کرو، مگر آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے کبھی کسی کے لئے آپ سے ایک حرف بھی نہیں کہا، مگر ہاں آپ اگر اجازت دیں اور سُن لیں تو صرف اتنا کہتی ہوں کہ اب مجھ سے اماں بی کی (یعنی ساس کی) باتیں برداشت نہیں ہوتیں، خیر وہ مجھے تو جو چاہیں کہہ لیں، مگر ہاں خدا آپ کو دشمنوں سے بچائے، جب وہ آپ کے حق میں بُری طرح سے بد دعا کرتی ہیں تو مجھ سے رہا نہیں جاتا اور میں کہتی بھی ہوں کہ اماں خدا کے لئے آپ مجھے دس جوتیاں روز مار لیا کیجئے، مگر خدا کے لئے ان کے حق میں تو بد دعا نہ کیا کیجئے، آخر وہ تو آپ کے بیٹے ہیں، اور اُن کا تو اس بات میں قصور بھی نہیں، یا جو آپ کو کچھ نہیں کہتی ہیں تو پھر اس معصوم بچے کے حق میں بد دعا کرتی ہیں، اب آپ ہی بتائیے کہ ان معصوم بچوں نے اُن کا کیا لیا ہے، مگر ہاں وہ تو بات حق یہ ہے کہ انھیں کسی نے بڑے زور سے یقین دلا دیا ہے کہ آپ رات کو کسی ناٹک والی کے ہاں جایا کرتے ہیں، اور میں آپ کے اس راز کو چھپائے رہتی ہوں، اب آپ ہی بتائیے کہ ایسا کب ہے

اور آپ رات کو کس کے گھر جاتے ہیں، میں تو خدا کے سامنے بھی کہنے کو تیار ہوں کہ خدا نے جیسا آپ کو ان باتوں سے آج تک دور رکھا ہے خدا ہر مسلمان کو ایسا ہی محفوظ رکھے، وغیرہ"۔

بس جہاں بیوی جان نے آپ سے آپ کی والدہ کیلئے یہ کہا اور آپ بغیر تحقیق کے مارے تاؤ کے ریل کے انجن کا انگارہ بن گئے اور صبح اٹھتے ہی کسی دوسرے محلہ میں ایک مکان جا لیا اور دوسرے دن والدہ سے تفصیل کہے بغیر بیوی جان کو مع بستر اس مکان میں لے گئے۔ اب والدہ ہیں کہ ایک ایک کے سامنے روتی پھرتی ہیں کہ کوئی بتائے کہ اُس سے اُن کا بیٹا کیوں جدا ہو گیا، مگر آپ ہر وقت یہ جواب دیدیتے ہیں کہ بھئی وہ ماں ہیں اُن سے کہنے کی باتیں ہی نہیں، بس اس میں کیا خرابی ہے کہ میں ان سے دور رہ کر بھی ان کے حقوق تو ادا کر رہا ہوں، مگر خدا کے لئے یہ نہ پوچھئے کہ تم اپنی ماں سے کیوں جدا ہو رہے ہو، آہ دل جانتا ہے وہ کیسی ماں ہیں ہماری؟

چند دن میں سُنا کہ والدہ کا اسی غم میں انتقال ہو گیا، تو آپ بھی رسماً شریک ہو گئے، مگر اس وقت تک دل میں انہی غلط باتوں کا تاؤ باقی رہا، جو بیوی نے مکاری سے آپ کے ذہن میں جما دی تھیں۔

میں نے پھر تقریر کی

اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے اس سے پہلے بھی تقریر کی تھی، جی ہاں کی تھی اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کہوں کہ سے

"ساتویں پشت سے تقریر کی مشاق ہیں!"

لیکن قسم لے لیجیے جو ایک تقریر بھی ایسی ہو جس میں میں نے ڈرنے، جھجکنے، گھبرانے پریشان ہونے، لرزنے، کھانسنے، اور پانی پر پانی پینے سے کام نہ لیا ہو، مگر واقعہ یہ ہے کہ جس طرح حسین، نازک، رنگین، لائق اور باغ و بہار دماغ کے مردوں کو کالی، جاہل، اور پھوہڑ بیویاں ملتی ہیں اسی طرح آتش بیان، جادو گفتار اور رواں دواں بولنے والوں کے عوض اٹک اٹک کر، گھبرا گھبرا کر، اور کھانس کھانس کر بولنے والوں کو لوگ بہت بلاتے ہیں اور تقریریں بھی سنتے ہیں اور وعظ بھی!

یہ مہینہ عید میلاد النبی کا مہینہ ہے، اس میں پنجاب کی "سیرت کمیٹی" کی

تحریک سے ہندوستان کے ہر شہر میں جو یہ تقریب منائی جانے لگی ہے تو تقریر کرنیوالونکی
بھی چمک گئی ہے لیکن وہ جو ہندوستان میں ہر اچھی چیز کا کال ہے تو اچھی تقریر کرنے
والے بھی ناپید ہیں اس لئے صوبجات متوسط کے متعدد شہروں سے ملا رموزی کے
نام ڈاک پر ڈاک پر چلی آرہی تھی کہ "تشریف لا کر تقریر کیجیے، کرایہ بھی دیا جائے گا"
ظاہر ہے کہ ہندوستان کا ہر صاحب کمال اگر آج شہرت حاصل نہیں کر سکتا تو صرف
اسی لئے کہ اس کے پاس اظہار کمال کا کرایہ نہیں ہوتا، لیکن سفر کے متعلق میرے
ہاں جو دشواریاں ہیں وہ یہ کہ :-

اوّل تو بیوی نمبر ۲ کے فراق کا صدمہ سفر سے باز رکھتا ہے، دوسرے
مزاج اور دماغ کی فرعونیت بجائے تقریر کے مسلمانوں سے دنگل کا انتظام کرا دیتی
ہے، تیسرے تھرڈ کلاس کا ملیریا اور انفلوانزا سے ملتا جلتا سفر اب بس کا
نہیں رہا،

اس لیئے ہر جگہ کا بلاوا رد کر دیا، لیکن ۲۴۔ مئی ۱۹۳۷ء کو جب شب کے
پونے بارہ ۱۲ بجے میں دنیا جہان کی ناکامیوں سے تاؤ کھائے ہوئے ریلوے اسٹیشن کی
آوارہ گردی کر رہا تھا کہ ناگاہ حضرت مولانا طرزی مشرقی فاضل تشریف لائے، یہ
جتنے ہلکے پھلکے، نازک نفیس، سنجیدہ ہیں اُن کے ہمراہ اُتنے ہی آزاد، بیباک،

بے دھڑک ایک اور صاحب بغیر چھتری کے مجھ سے ملے اور فرمایا کہ "مسلمانان اٹارسی نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، کل تشریف لاکر سیرت النبی پر تقریر کیجیے، کرایہ کا بندوبست بھی ہو جائیگا"

ادھر بیوی نمبر ۲ آجکل مجھ سے دور ہیں اس لئے میں نے ان سے کہا کہ "سیرت ایسے مذہبی اجتماع" میں مجھ ایسے نصف مونچھوں والے ملّا رموزی کی تقریر ایسی ہی ہوگی جیسے آپ کہیں کہ اجمیر شریف کی قوالی میں بھائی پرمانند بھی حقانی گائیں، مگر انہوں نے کہا کہ آپ ہر حال میں تقریر کرینگے، کیونکہ اٹارسی کے مسلمان طے کر چکے ہیں کہ آپکی تقریر ہو اور آپکی تقریر کے شوق میں جبلپور، گاڈرواڑہ، سہاگپور ہوشنگ آباد وغیرہ مقامات سے بھی لوگ آئے ہوئے ہیں،

میں نے سوچا کہ جب مجھے اپنی قیام گاہ پر نہ موت ہے نہ رزق، تو بہتر ہے کہ تقریروں سے ہی عاقبت بخیر کر لوں، اس لئے بیوی نمبر ایک سے عرض کیا کہ بیوی حلوہ پکاؤ، نیاز و فاتحہ کا انتظام کرو کہ آج خدا نے تمہارے شوہر کو اس قابل کیا کہ اس کو مسلمان تقریر کے لئے بھی بلاتے ہیں،

ظاہر ہے کہ بال بچوں والی بیوی کا نکاح اولاد کے بعد آدھا رہ جاتا ہے، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ بیوی سے عشق و محبت جبر و طاقت کی محبت ہے، اصل

محبت تو اس قید سے آزاد رہ کر ہے جس میں بغیر قانونی اثر کے دونوں رات دن ایک دوسرے کیلئے بیتاب اور پروانہ بنے رہتے ہیں لیکن جہاں شادی ہوئی نہیں کہ پھر محبت تو گئی دلی کے بھاڑ میں بس بیٹھے بچے پالتے رہو، اور خضاب لا جواب لگاتے رہو، اس لئے بیوی بمبرا نے بغیر آنسو بہائے مجھے یوں اجازت دیدی گویا میں اُن کے حق میں پہلے ہی سے مصیبت بنا ہوا تھا،

سامان سفر تو ہو اُن کے پاس جن کے پاس غریبوں، مزدوروں اور باوا کی اندوختہ جائداد ہو، یہاں تو سائیکل ہے جو ذرا سی غلط سمت چلنے پر مجسٹریٹی میں ذریعہ چالان جا سکتی ہے اور مالخانہ میں بند ہو سکتی ہے، اس لئے اللہ کا نام لیا اور ٹھیک دو بجے گھر سے یوں نکلے گویا اب اس گھر میں شریف ہیں تو نہ آئینگے حضرت طرزی مشرقی کا خاندانی تانگہ تھا یعنی ذاتی، اس میں بیٹھ کر چلے تو دو بجے کی جہنم کے کارخانہ کی بنی ہوئی لُو اس طرح تانگہ میں تھی گویا ڈاکٹر نے ہماری صحت کے لئے گرم تر بھاپ کے طمانچے تجویز کئے ہیں، اس لئے خوش خوش تو کیا ہاں چکر کھاتے اور بدحواس اسٹیشن پر پہنچے،

بغیر چھت کے پلیٹ فارم پر پسنجر ٹرین نصف گھنٹہ کے لئے یوں کھڑی ہو گئی گویا یہ ریل گورنمنٹ کے عوض کسی یتیم خانہ کی ریل ہے، جس کا نہ کوئی

والی نہ وارث، تھرڈ کلاس کی لکڑی کی میزیں اس وقت اس طرح گرم تھیں گویا "پُل صراط" کے نیچے جہنم شعلہ زن ہے، اور ہم گناہ گار اُس پر سے گذارے جا رہے ہیں،

ہمارے ڈبے کے ہمراہی وہی دیسی کسان تھے جن کے مظالم کش جسم پر نہ بارش اثر کر سکتی ہے نہ گرمی، ہر کھڑکی سے جہنم کی آگ داخل ہو رہی تھی، مگر قومی خدمت گذاری کے مالیخولیا میں مبتلا طرزی اور رموزی اس ایثار و خلوص سے بیٹھے ہوئے تھے گویا اس خدمت کے بعد بے حساب جنت ہی میں جا کر دم لیں گے، یہاں سے ایک اور مقرر حضرت مہری رونق افروز ہوئے اور خدا خدا کر کے ۲ بجے والی پسنجر یوں روانہ ہوئی گویا بھڑکتا ہوا جہنم حرکت میں آیا، اور وہ بھی پسنجر بن کر، دماغی نزاکت و لطائف اور وسعتِ خیال و نظر کے اثر سے میں فرسٹ کلاس کے عوض تھرڈ کلاس میں اب سفر نہیں کر سکتا، کہ تھرڈ کلاس کی ہر تکلیف محسوس ہوتی ہے، مگر یقین ہے کہ جب تک میں مسلمانوں کا خدمت گذار رہوں گا ان تکالیف سے محفوظ نہ رہونگا اس لئے میں نے چاہا کہ حضرت مہری سے گپ کے ذریعہ تھرڈ کلاس کی تکالیف کو بھول جاؤں، مگر موصوف کو دیکھا کہ بڑی متانت سے اپنی تقریر کی یادداشتیں ملاحظہ فرما رہے ہیں، اب کس کو حوصلہ کہ حضور کے علمی شغل میں مداخلت کرے، ادھر ایسے

ذلیل اور بے ٹکٹ سے سفر میں مجھ سے نہ اخبار پڑھا جاتا نہ کتاب، اس لئے بیوہ عورت کی طرح خاموش بیٹھ گیا،

ریل تھی پسنجر اس لئے ہر ڈھائی آنہ والے اسٹیشن پر یوں کھڑی ہو جاتی تھی کہ لاکھ خوشامدیں بھی کیجئے تو قدم نہ اٹھائے، سفر کا راستہ خالص پہاڑی تھا اس لئے وسط دوپہر میں ہر ۵ میل پر ریل کے کھڑے ہونے کے یہ معنی تھے گویا ہم دونوں جلاوطن بھائیوں کو کالے پانی پہنچنے سے پہلے آفتابی غسل سے بھی سرفراز کیا جا رہا ہے،

ریل کے جس ڈبہ میں ہم فاضل الٰہیات، ادیب وشاعر اور منشی فاضل قسم کے نازک مزاج بیٹھے تھے اس کی اندرونی شادابی یوں تھی کہ ہر طرف نصف سے زاید برہنہ کسان، بیڑی کا دھواں فاتحہ کے لوبان سے زیادہ پھیلا ہوا، مونگ پھلی کھانے کی طعقن پھیلی ہوئی، گنوار قسم کی جمائیوں کی آوازوں میں محرم کے مرثیوں کے تال سُر شامل، دیہاتی پسینہ سے لسے ہوئے لباس کی لپٹ سے محمد علی اصغر علی خمیرے والے لکھنؤ میں بے چین نظر آتے تھے، اب ان حالات میں میرے لئے ایک ہی چیز باقی رہ گئی تھی، اور وہ فقط تنگ آکر قہری کو چھیڑا کہ اسی طرح راستہ کی تکالیف کم ہوں مگر وہ یادداشتوں کے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے

انہوں نے وہ عالمانہ آنکھیں دکھائیں کہ ڈرنا ہی پڑا، لیکن کب تک، میں نے پھر چھیڑا، اور وہ پھر غصہ ہونے لگے اور اس مرتبہ انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد اور امام صاحب جامع مسجد دہلی کی نصیحت کا انداز اختیار کرکے مجھے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی، اب ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی جرأت کہاں جو مذہبی رنگ کی ڈانٹ پر بھی گستاخی سے کام لے، اس لئے میں نے گناہ سے بچنے کے لئے کوئی نصف اسٹیشن گفتگو نہ کی، اور اب یہ سوچکر کہ مہری صاحب ہیں آخر نوجوان اور اُدپر سے ناکتخدا بھی، اس لئے میں نے یقین کر لیا کہ ذیل کی گفتگو سے یقیناً یہ مست ہوکر مجھ سے مخاطب ہو جائیں گے، چنانچہ میں نے کہا کہ:-

"آہ! ہندوستان میں مسلمان بیوہ عورت کس درجہ عذاب میں مبتلا رہتی ہے، حالانکہ اسلام نے اس کو دُوسرے نکاح کی آزادی دی ہے"

مہری نے دیکھا کہ بیوہ عورت کے دُوسرے نکاح کے مسئلہ پر گفتگو ہے، جو ثقافت وسنجیدگی کے خلاف نہیں ہے، اس لئے زیرِ مطالعہ کاغذات کے اُوپر سے مجھے دیکھا مگر اس طرح خموش رہے گویا وہ اس چیز کو غور سے سُن رہے ہیں، میں نے پھر کہا "مگر بعض بیوہ عورتیں اپنے سابق شوہر کی محبت میں خود بھی دُوسرے نکاح پر تیار نہیں ہوتیں" کہ مہری نے آہستہ کہا "ہاں" میں نے اتنی توجہ پاکر کہا۔

مگر اب تو نا کتخدا لڑکیوں کے لئے بھی شوہروں کا ملنا محال ہوگیا ہے، اور آہ کیسی کیسی خوش خصال لڑکیاں گھر کی چہار دیواری میں سڑ رہی ہیں"۔

چونکہ گفتگو کا آغاز بیوہ عورت سے ہوا تھا اس لئے مہری صاحب نے اب نوجوان لڑکیوں کی گفتگو میں حصّہ لینے کو بھی متانت کے خلاف سمجھتے ہوئے فرمایا: "ملّا صاحب یہ بھی صحیح ہے مگر اس کا سبب؟"

یہ کہکر یادداشتوں کے کاغذات کو آنکھوں سے ہٹا کر گود میں رکھ لیا، میں تو اتنا ہی چاہتا تھا کہ کسی طرح مہری مخاطب تو ہو جائیں، اس لئے میں نے کہا کہ "بات کچھ بھی نہیں جب سے لڑکے نے پتلون اور لڑکی نے ریشمی ساڑھی اختیار کر لی ہے اس وقت سے دونوں کا دولت مند ہونا ضروری قرار پا گیا ہے، لیکن دولت ملتی ہے ہنر مندی سے سو نہ لڑکا ہنر مند نہ لڑکی صاحب کمال، اس لئے جوڑ ملے تو کیسے"؟

اب بھی معاملہ سنجیدہ تھا، اس لئے مہری گفتگو کرتے رہے کہ میں نے اچانک کہا کہ "مگر مہری یہ تو بتاؤ کہ "عشق و محبت کرکے شادی کی جائے تو کیسا"؟

اس سے قبل کی گفتگو چونکہ بے حد علمی، متین اور سنجیدہ تھی اس لئے اسی روانی میں مہری بے ساختہ کہہ گئے کہ "بہت اچھی" کہ بدقسمتی سے بر کھبڑے کا

اسٹیشن آگیا اور یہاں سے ہم دونوں کے بچپن کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ایک دوست سوار ہوئے جو ہماری شامتِ اعمال سے عرصہ دراز سے محکمۂ سائر میں ملازم ہیں، اُن کے آنے سے حُسن و عشق کی گفتگو اب دفتری گفتگو سے بدل گئی، گویا میرا تو جنازہ ہی نکل گیا اور قہری صاحب کو پھر سنجیدہ انسان بن جانیکا موقع مل گیا، اور اسی کا مجھے زیادہ صدمہ ہُوا،

اب ان کی "سائرانہ گفتگو" کا یہ حال کہ ہم میں سے کوئی سوال بھی نہیں کرتا ہے مگر ان کی عالمانہ گفتگو ہے کہ اس طرح پھیلتی چلی جارہی ہے:-

"ارے بھائی وہ ہمارے نئے افسر سے بھی تمہارے مراسم ہیں؟ بھئی تم لوگ آجکل بڑے بااثر ہو اس لئے ذرا میرے تبادلہ کے لئے تم میں سے اگر کوئی کہدے تو میرا کام ہوجائیگا، آمدنی تو یہاں بھی اچھی ہے مگر یہاں ریلوے اسٹیشن ہونے کی وجہ سے افسروں کی آمدورفت زیادہ رہتی ہے"

میں نے بہتیرا چاہا کہ ان کو محسوس ہوجائے کہ ہم لوگ علمی ذوق کے آدمی ہوچکے ہیں اس لئے اب ہم کو دفتری معاملات و مسائل سے سخت نفرت ہے، مگر یہ شخص تھا بچپن کا دوست اور اللہ ترقی دیگر انسان کو بے تکلف دوست ہی سے محفوظ رکھے، وہ کا ہیکو سمجھتا تھا کہ ہم آجکل ہلیڈر ہیں یا ایڈیٹر وہ تو آج بھی یہی سمجھے

ہوئے تھا گویا ہم دونوں آج بھی آٹھ دس برس کے ننگ دھڑنگ بچے ہیں، لہذا جو چاہیں بولیں اور جو چاہیں ایک دوسرے سے کہیں، اِدھر میں نے اس کی گفتگو کی بیباکی سے اندازہ کرلیا کہ اگر میں نے موصوف کی گفتگو کے جوابات میں کسی قسم کی ٹال سے کام لیا تو یہ اب تب کی گفتگو تک سے کام لیگا اور بچپن کے حقوق اور قانون سے یہ اس کا حق بھی ہے، لہذا میں تو بے حد فرمانبردار بنا رہا مگر ٹھہری تو بے انتہا باغیانہ مزاج کے انسان ہیں اس لئے انہوں نے ڈانٹ دیا کہ میرے علمی کام میں ہڑبونگ سے کام نہ لے،

وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا یعنی اس نے ڈانٹ کے بعد اپنی دفتری گفتگو میں وہ زور پیدا کردیا کہ اب تو میرا جی بھی چاہنے لگا کہ خودکشی کرلوں، میں نے ہرچند بے رُخی سے کام لیا، مگر وہ بے رُخی کو خاطر میں کب لاتا تھا، کبھی شانہ پکڑ کر ہلا دیتا اور کبھی زانو پر اس زور سے ہاتھ مار کر قہقہہ لگاتا کہ مجھے رونا آجاتا تھا، مگر بے تکلفی کے حق کا تقاضا تھا کہ پھر بھی ہنستا رہوں، چنانچہ ہنستا رہا،

بُدنی کے اسٹیشن سے یہ بے تکلف محکمہ سائر تشریف لے گئے، مگر خود سے کہیں سوا مصیبت دے گئے یعنی اس اسٹیشن سے ایک شاعری سوار ہوئی، شاعری بھی دیہات کی دوشیزگی اور جنگلوں کی جوانی لئے ہوئے، اب اس کی وجہ سے با تو

مہری کا بُرا حال یا میرا بُرا حال، بہر حال اس کے سوار ہونے پر مہری نے مجھ کو اور میں نے مہری کو اس طرح دیکھا گویا حُسن و عاشقی کی ایک طویل داستان ہم دونوں ایک ہی اشارہ میں بیان کر گئے، البتہ میں خوش تھا کہ میری بیوی نمبر ۲ کو اطلاع نہیں ہو سکی، کیونکہ وہ اللہ کی بندی بڑی شکّی مزاج ہے، اب میں نے خود کو مہری سے یوں علیحدہ کر لیا گویا میں چلتی ریل سے قدرتی مناظر کا تماشہ دیکھنے میں مصروف ہوں، اس پر مہری نے سوال بھی کیا کہ کیا تماشہ دیکھ رہے ہو؟"

میں نے کہا تماشہ انگریز کی بہادری، ہمّت، جرأت اور حوصلہ کا، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ دھوپ کی اس جہنم گُسل شدّت میں انگریز کس کمال جرأت سے ریل چلانے میں مصروف ہے، حالانکہ ہندوستانیوں سے زیادہ نازک مزاج، عیش پسند اور دولت مند ہے اور ایک ہماری بیوی نمبر ۲ ہیں جو ہمّت، جرأت اور حوصلے کے عوض مارے خواہ مخواہی اندیشوں اور احتیاطوں کے خشک ہو رہی ہیں مگر بہادری کے قریب بھی تشریف نہیں لا سکتی ہیں،"

(۷)

اس عنوان کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ لوگ باگ منع کرتے تھے مگر میں نے پھر تقریر کی، یا لوگوں نے ایک تقریر سُنکر کہدیا تھا کہ تم بیچارے تقریر کیا کرو گے،

مگر میں نے پھر تقریر کی، یا میری پہلی تقریر میں مجھے ہر جملہ کے بعد کھانس کھانس کر خفت مٹانا پڑتی تھی مگر میں نے پھر تقریر کی، یا میری بیوی نمبر ۲ منع فرماگئی تھیں مگر میں نے پھر تقریر کی، یا لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ ہم عین تقریر میں ہڑبونگ، لپاڈگی، شور و غل اور فتنہ و فساد سے کام لیں گے مگر میں نے پھر تقریر کی، یا لوگ باگ میری تقریر کے بیچ میں اُونگ رہے تھے مگر میں نے پھر تقریر کی، یا "محترم خواتین" میری تقریر سے تاؤ کھا رہی تھیں کہ کیوں میں ان کی فیشن زدگی کے خلاف لکھتا ہوں، مگر میں نے تقریر کی، یا "کم اوقات" کے لوگ ریڈیو کے خلاف میری تقریر سے جل رہے تھے، مگر میں نے تقریر کی، یا وہ عورتیں اور لڑکیاں میری نفرت سے غصہ تھیں جو ریشمی شلوار، زرین ساڑھی، پائوں کا زیور، خوبصورت جُوتے اور مہندی رچے ہوئے پائوں دکھانے کے شوق سے پردہ دار تانگوں کے پردہ سے باہر پائوں نکال کر بیٹھتی ہیں، اور اپنے اس چھچھورپن سے شرماتی نہیں، مگر میں نے پھر تقریر کی، یا عین تقریر کے عالم میں مجھے صدر جلسہ نے پرچہ لکھا کہ آپ کا وقت ختم ہوگیا، مگر میں نے پھر تقریر کی، غرض کوئی ایک لاکھ معنی ہیں اس عنوان کے جس کے نیچے میں اپنی تقریر کے حالات لکھنے چلا ہوں، حالانکہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ بیوی نمبر ۲ کی مصروفیت کی وجہ سے یا مسلمانوں کی ناقدردانی کے ہاتھوں میں نے آج سے ایک سال پہلے

ایک تقریر کی تھی، اس کی یاد مجھ ایسے تقریری مفلس کے دل میں ایسی تھی گویا میری یہ تقریر اس سے متصل ہی ہوئی ہے، اس لئے یہ عنوان قایم کیا تاکہ سند ہو اور مجسٹریٹوں اور کوتوالوں کے کام آئے،

دیگر احوال یہ ہے کہ ریلوے اسٹیشن بدنی سے وندھیاچل پہاڑ کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کے نشیب و فراز میں غیر ہندوستانیوں اور ہندوستانیوں کی شجاعت و بزدلی کی سینکڑوں تاریخیں دفن ہیں، ان فلک بوس اور ناقابل عبور پہاڑوں سے ریل گاڑی کیا گذر سکتی، مگر ذی حوصلہ، بہادر، اولوالعزم، عالی ہمّت، جری، دلیر، دلاور، شجاع، نڈر، بے جگر، حوصلہ مند، جفاکش اور محنت سے عشق کرنے والے انگریزوں نے اپنی علمی سربلندی سے ان پہاڑوں کے سینے چاک کرکے دلّو بچے والی پسنجر کا جو راستہ بنایا ہے، اب اس پر سے فی گھنٹہ ۵۵ میل کی رفتار سے پنجاب میل بھی گذر جاتا ہے، اور پشاور اکسپریس بھی، اس لئے میں تو جنگلوں کے خشک و افسردہ مناظر کو چھوڑ کر انگریزوں کے پہاڑ شکن حوصلوں کی ان ترکیبوں کو دیکھنے میں مصروف ہوگیا،

میں دیکھ رہا تھا اور میری جنگ وجدال اور قتل وخونریزی سے مست ومسرور ہونے والی فطرت بعوان ہورہی تھی، جب بہادر انگریز ڈرائیور ان خوفناک پہاڑی

ڈھلوانوں، گھاٹیوں، دروں اور اُتار چڑھاؤ سے ۵۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے انجن چلا رہا تھا، اُس وقت خیال آیا کہ اگر آج کو اس ریل کی ڈرائیور کوئی ہندوستانی عورت ہوتی تو غریب مارے احتیاط، رسوم، عقائد، نزاکت، نفاست، ناتجربہ کاری، اور بزرگوں کی سختیوں کے ریل چلانے کی ہمت کرنے کے عوض چارپائی پر پڑ کر دق اور سل ہی میں مرجاتی، مگر نہ ریل چلاتی نہ اپنے بزرگوں کے خلاف کوئی قدم اُٹھاتی، اور میرا تو تجربہ یہ ہے کہ ایک ہندوستانی عورت کیا سارے ہندوستان کے مرد بھی ایسا ہی کرتے، مگر نہ کرتے تو ان پہاڑوں سے ریل چلانے کی ہمت، کہ فطرت نے ان پر اگر کوئی حسین احسان کیا ہے تو وہ یہی کہ ان سے کام کا حوصلہ چھین لیا ہے، اسی لئے ہر جگہ درخواست لئے کھڑے رہتے ہیں اور وہ بھی مع اہل وعیال، !!!

دیگر احوال یہ ہے کہ اب ریل گاڑی ایک درہ نما ڈھلوان سے گذر کر اچانک ایک ہوش رُبا پُل پر سے گذری، اس پُل کی ہولناکی، ہیبت اور ڈراؤنے عمق میں کافی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ مہری صاحب نے بھی جھانکنے کی زحمت گوارا فرمائی، اور فوراً ہی اُف کہہ کر کھڑکی کے اندر ہو گئے، اس پر میں نے عرض کیا کہ "کیا خوف کی وجہ سے؟" - فرمایا "ہاں!"

میں نے کہا۔ مگر انجن کا انگریز ڈرائیور تو آپ کی طرح اُف نہیں کہتا، آخر اس کا سبب؟"

ہندوستانی جواب عطا ہوا کہ "اُن کا تو کام ہی یہ ہے"!

میں نے کہا تو گویا اُن کا کام ہی ہے، اس میں ان کی عالی حوصلگی، ہمت مردانگی اور حوصلے کو دخل نہیں؟

فرمایا۔ جی ہاں حوصلہ تو ہے مگر یہ کوئی بڑا حوصلہ نہیں کہ ایک پُل پر سے ریل گذار دی پُل خود مضبوط ہے،

اس وقت میرے تاؤ کا پارہ پُورے کھولاؤ پر تھا، مگر میں نے طے کر لیا کہ ان سے بحث کرنا ایسا ہی ہے جیسے آجکل مسلم لیگی مسلمان سے کہا جائے کہ آپ بغیر سمجھوتہ کے کانگریس میں شریک ہو جائیے، یا جمعیت علمار ہند کے کارکنوں سے کہا جائے کہ آپ کانگریس کا سیاسی پیچھا چھوڑ دیجئے، یا مسلمان طلبار سے کہا جائے کہ آپ ریشمی لباس ترک کر کے کھدر کا لباس اختیار کیجئے اور کافی محنت کی زندگی بسر کیجئے، یا جاہل عورتوں سے کہا جائے کہ آپ غلط اور نقصان رساں رسوم کو ترک کر دیجئے اور پیروں فقیروں سے تعویذ نہ لیا کیجئے، یا پُرانے خیال کے شوہروں سے کہا جائے کہ آپ اپنی انٹرینس پاس بیویوں کا پردہ توڑ دیجئے،

یا بوڑھی عورتوں سے کہا جائے کہ آپ اپنی اِنّا للہ ہونے والی عمر میں مہندی لگانا ترک کر دیجئے، یا آٹھویں نویں جماعت کی طالبات سے کہا جائے کہ آپ سینما کے تماشہ میں نہ جایا کیجئے، یا حضرت جگر مراد آبادی سے کہا جائے کہ خدا کیلئے آپ غزل کہنا ترک کر دیجئے، یا ہندو مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ دام لیلہ اور مسجد کے سامنے باجے کی جنگ چھوڑ دیجئے، یا جمعیت الاقوام سے کہا جائے کہ حضور آپ کچھ کر کے دکھائیے اور اپنے اجلاسوں کو ترک فرما دیجئے، یا مسولینی اور ہٹلر سے کہا جائے کہ مارے انتظار کے مرے جاتے ہیں عالمگیر جنگ شروع کر کے دکھائیے، یا دنیا کے عظیم الشان انسان مصطفےٰ کمال پاشا سے کہئیے کہ اماں یہ بلقانیوں کے اتحاد پر بھروسہ کا کیا موقع ہے، یونان ہی پر چڑھ دوڑیئے، یا بڑے مولوی صاحب سے کہا جائے کہ آپ چھری کانٹے سے ڈنر کھانے اور قدرے ڈانس کی مشق فرما لیجئے، کیونکہ اب سَو روپیہ کی ملازمت پر ہندوستانی آدمی ڈنر کھاتا ہے اور مولی کھانا بھول گیا ہے، یا مسلمانوں کے پانچ سے دس سال تک کی عمر کے لڑکوں سے کہا جائے کہ تم ہوٹلوں کی نوکری چھوڑ کر صنعت وحرفت یا حصول علم کی کوشش کرو، یا تانگے اور موٹر کار کے جاہل ڈرائیوروں سے کہا جائے کہ آپ آبادی میں تیز رفتار گاڑی چلانا چھوڑ دو ورنہ ایک دن مار کھاؤ گے

اور نکالے جاؤ گے اور حوالات میں تہجد کی نماز پڑھنا ہو گا وہ الگ !

یا تانگے والوں سے کہا جائے کہ اچھا تم چاہو جتنا تیز تانگہ چلاؤ مگر خدا کے لئے جگر مراد آبادی کی غزلیں چلا چلا کر نہ پڑھا کرو، یا حکام اور دولت مند مسلمانوں سے کہا جائے کہ یہ کوٹھی اور بنگلہ کے عوض مسجد میں نماز باجماعت کو تشریف لائیے اور یہ بات بات پر اورمنٹ منٹ پر یورپ کا علاج اور یورپ کی سیاحت ترک کر دیجئے،

یا "ٹائمس" اور "پائنیر" کے خریداروں سے کہا جائے کہ آپ اپنی مادری زبان کے اخباروں کے خریدار بن جائیے، یا بڑے مولوی صاحب سے کہا جائے کہ آپ مس زبیدہ کا ناچ دیکھ لیجئے، یا شاعروں سے کہا جائے کہ آپ کو قسم ہے جو ایک غزل سے زائد سنانے کی آپ کوشش کریں، یا عورتوں سے کہا جائے کہ آپ وعظ و میلاد کے جلسوں میں نہ جایا کیجئے، یا پڑھے لکھے اور جاہل اماموں سے کہا جائے کہ آپ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سبح اسمہ اور ھل اتٰلک نہ پڑھا کیجئے بلکہ ہر جمعہ کو نئی سورۃ یا نیا رکوع پڑھا کیجئے،

یا کاہل حکام سے کہا جائے کہ آپ روز کا کام روز ختم کر دیا کیجئے اور دفتر میں ٹھیک وقت پر آ جایا کیجئے، یا پیشکاروں سے کہا جائے کہ آپ رشوت

نہ لیا کیجئے اور حاکم کے گھر نہ جایا کیجئے، یا جدید نسل والوں سے کہا جائے کہ آپ لڑکیوں کی شادی سولہ برس کی عمر ہی میں کر دیا کیجئے، یا مسلمانوں سے کہا جائے کہ آپ آپس میں اتفاق اور پیار سے رہا کیجئے، یا گرمی کے موسم سے کہا جائے کہ تو کم ہو جا، یا پھر برقی انجینئروں سے کہا جائے کہ آپ علمی قدر دانی کے طور پر اپنے حصّہ کا برقی پنکھا ملا رموزی صاحب کے گھر میں فٹ کر دیجئے،

اس لئے میں حضرت جہری کی طرف سے مایوس ہو گیا کہ دریائے نربدا کا وہ ہیبت ناک پل آیا جس پر سے ریل گذرتے وقت ہندو بھائی تو اس میں پیسہ اور روپیہ پھینکتے ہیں اور مسلمان سہم کر کہتے جاتے ہیں کہ اگر اس میں ہماری ریل گر گئی تو؟ حیران تھا کہ اس خوفناک دریا پر سے ریل گاڑی پوری ۵۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی تھی، اور یہ اس لئے کہ اس پل کو حال ہی میں ریلوے انجینئروں نے تعمیر کر کے کہہ دیا ہے کہ ۵۰ برس تک کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن اگر ایسی پل کو اپنے ہندوستانی ٹھیکیدار تیار کرتے تو اوّل تو ۱۲ برس سے پہلے یہ پل تیار ہی نہ ہوتا اور ہوتا تو ریل گاڑی کے گذرتے وقت پہلے پیروں، فقیروں کے نام کا فاتحہ پڑھا جاتا، پھر یا امام رموزی کے نعرے لگاتے ہوئے مسافر ریل گاڑی کو اس پل پر سے گذارتے اور ہر ماہ ڈرائیور امام رموزی کے نام صدقہ کا بکرا ذبح فرماتے،

حاصل کلام ہوشنگ آباد آیا، میں نے بڑے کروفر سے ایک آنہ کی چائے
پی اور میرے ساتھی بھی اس گھمنڈ کے ساتھ ٹہلتے رہے کہ وہ اٹارسی میں تقریر کرنے
جا رہے ہیں سمجھا کیا ہے؟
یہاں سے اٹارسی بہت قریب ہے، اس لئے میں نے محسوس کیا کہ میرے
ساتھیوں پر استقبال کرنے والے، جلوس نکلنے والے، جلسہ کا پنڈال، بارعب
صدر جلسہ، ہجوم اور تقریر سوار ہو چکی ہے، چنانچہ اسی رعب سے گھبرا کر میرے
ایک ساتھی نے مجھے ہلکی سی ڈانٹ پلائی کہ دیکھو ملّا تم وہاں مجھ سے مذاق نہ کرنا،
مطلب یہ تھا کہ میں اثر ڈالنے کے لئے وہاں کے لوگوں کے سامنے ذرا پھولا ہوا سا
رہوں گا، اور بے حدّ واللہ، چنانچہ پن" سے کام لوں گا اور تمہارے مذاق کا
توڑ نہ کر سکوں گا تو میرا سارا مقررانہ وقار خاک میں مل جائیگا، میں اُن کے اس
بچپن اور گھبراہٹ پر مسکرا دیا اور قہری کو دیکھا تو وہ اپنی شیروانی کے بٹن لگانے
میں مصروف تھے، میں تاڑ گیا کہ یہ بھی رعب ڈالنے کا انتظام فرما رہے ہیں،
جس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ اٹارسی کے مجمع کا رعب خود اُن پر بخار بن کر چڑھ
رہا ہے، میں نے ان لوگوں کو بدحواس دیکھ کر ان کو زیادہ چھیڑنا شروع کر دیا،
کہ وہ اٹارسی کا اسٹیشن آ گیا اور استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے وہی

بزرگ نظر آئے جو ہمیں دعوت دینے رات کے بارہ ۱۲ بجے تشریف لائے تھے، ان کے بعد نائب صدر انجمن نور الاسلام تھے کہ وہ ریل کھڑی ہوگئی،

۳

پلیٹ فارم سے پُل تک استقبالی بھائیوں کے السلام علیکم اور معانقہ کی قسم کے مصافحوں کا سلسلہ تھا، کہ مسافروں کو حیران بنائے ہوئے تھے، اس وقت میرے ہمراہی بے حد متین، سنجیدہ، باوقار اور رعب داب کے چہرے بنائے ہوئے تھے میں بھی بے حد مہذب اور شریف آدمی معلوم ہو رہا تھا، پُل سے اُتر کر راستہ قدرے صاف ہوا، مگر استقبالی بھائی راستہ میں بھی جگہ جگہ بہت خاصہ جُھکا ہوا السلام علیکم بنتے چلے آتے تھے،

ہمارے جلوس کے لئے پولیس میں کہدیا گیا تھا کہ یہ مذہبی جلوس ہوگا، اس لئے پولیس کو اطمینان تھا، مگر میں دل سے چاہتا تھا کہ راستہ میں کوئی فساد ہو جائے تاکہ اخباروں میں لکھا جائے کہ:۔

"تین مقتول، ۴۰ مجروح، ۱۲ شفاخانہ میں جاکر جان بحق تسلیم ہوئے، باقی کے پسپا ہوئے البتہ اِکّا دُکّا پر اَب بھی حملے ہو رہے ہیں، جواہر لال نہرو بھی فیصلہ کرانے آرہے ہیں، مگر مُلّا رموزی صاحب مسلمانوں کو برابر بھڑکا رہے ہیں دفعہ ۱۴۴

کا نفاذ ہو چکا ہے، فوج گشت کر رہی ہے"

مگر افسوس کہ ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میرے تمام ساتھی انگریزی حکومت کے وفادار تھے، اب میں اکیلا بے وفا اور نمک حرام کیا کرتا پھر بھی میں نے ازلی فتنہ سامانی سے یوں کام لیا کہ جلوس والوں ہی پر شدید نکتہ چینی اور اعتراضات کا لام باندھ دیا، جو سامنے آیا ہے نہیں کہ میں نے اعتراض کیا غرض کافی اعتراضات کے بعد ہمارے جلوس کا مولویانہ تعزیہ ایک معزز اور بھاری بھرکم ملک التجارؒ کے دولت خانہ پر رکھ دیا گیا،

میں نے یہاں بھی حاکمانہ رعب داب قائم رکھتے ہوئے فرمائشوں کا سلسلہ جاری کر دیا، کبھی سوڈا واٹر منگاتا، کبھی برف، اور کچھ نہیں تو اچھی خاصی جمی جمائی کرسیوں ہی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھواتا، یہ کہکر کہ اس طرف گرمی ہے اور اس طرف سے لو آرہی ہے، مگر میرے ساتھی تہذیب کی قید سے معذور سے بنے بیٹھے تھے، یہاں تک کہ یہ لوگ اپنی ضرورت بھی مجھ ہی سے کہتے تھے، محض اس لئے کہ یہ لوگوں پر کمانڈ کرنے کی صلاحیت سے عاری تھے، اس لئے اپنی ہر خواہش کو خود ہی خلاف تہذیب سمجھ کر پی جاتے تھے، مگر میں تھا کہ چھایا ہوا تھا اور الحمد اللہ کہ آج تک کسی نے مجھ سے شکایت بھی نہ کی،

آپ جانتے ہیں کہ جب تقریر کے لئے کوئی شخص بلایا جاتا ہے تو وہاں کے میزبان مسلمان کس درجہ ناز برداری کرتے ہیں، ادھر میں وہ ہوں کہ حکومت سے بھی چاہتا ہوں کہ میرے ادبی کمالات کی ناز برداری کرے اور بیوی نمبر ۲ سے بھی چاہتا ہوں کہ اگر ناز برداری کرتی ہو تو عشق ورنہ خدا حافظ، اس لئے یہاں کے مسلمان تھے کہ میری ناز برداری میں مصروف تھے،

اب میں ٹھیرا پیدائشی آزاد، باغی، سرکش اور جھگڑالو، اس لئے میرے بس کا نہیں کہ میں کسی مہذّب مجمع میں اندھا حافظ جی بن کر بیٹھا رہوں، لہٰذا میں نے حضرت مہری کو ورغلایا کہ چلئے ذرا تفریح کر آئیں، مہری نے میری زور داری اور سرکشی کا اندازہ ریل ہی میں کر لیا تھا، اس لئے غریب بے چون وچرا ساتھ ہو گیا باٹا کمپنی کے منصرم، میونسپل کمشنر اور انجمن اسلام کے نائب صدر میرے ہمراہ ہو گئے، بازاروں میں سے گذرا تو ہندو بھائی مجھے یوں گھورنے لگے کہ میں سفید گاندھی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھا، اس لئے ہندوؤں نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ مسٹر محمد علی جناح کے مخالف اور کانگریس کے حامی ہیں،

باٹا کمپنی میں بٹھادیا گیا اور یہاں ہم لوگوں کو درجہ اوّل کی چائے پلائی گئی اور اسی جگہ سے میرے اور باٹا کمپنی کے منصرم صاحب کے درمیان نصف سے زائد

انگریزی گفتگو شروع ہوئی، میں دل میں خوش تھا کہ باقی کے تمام مولویوں میں میری انگریزی دانی ہی کا سکہ جم گیا، حضرت منصرم نے باٹا کمپنی کی ایک انگریزی کتاب مجھے دی جس میں حضرت باٹا کی تصویر بھی تھی، یہ موٹا تازہ اور مشٹنڈے قسم کا جرمن تاجر غضب کا تاجر ہے کہ آج ہندوستان کا کوئی قصبہ نہ ہوگا جہاں جناب باٹا کے جوتے نہ ملتے ہوں،

میں نے یہ کتاب دیکھ کر کہا کہ ہندوستان کے نوجوان میں بھی تجارت کا یہ عالمگیر حوصلہ نہیں جو اس بوڑھے جرمن میں ہے، ہاں ہندوستانی نوجوان ملازمت میں بڑا مستعد ہے، سو وہ بھی کام کرنے میں نہیں بلکہ صرف ملازمت کرنے میں یا سینما کا تماشہ دیکھنے میں،

چائے پی کر اٹارسی کے مناظر دیکھتے رہے، شعری لطافتوں کا وجود بھی نہیں البتہ ہوشنگ آباد کے خربوز تربوز اچھے تھے، عصر کی آدھی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں گئے تو یہاں بھوپال کے شیوا بیان ادیب و عالم حضرت مولوی ابراہیم خلیل مولوی عالم نگران رسالہ "گوہر تعلیم" سے نیاز حاصل ہوا اور ان ہی کی امامت میں سفر کی آدھی نماز پڑھی، حضرت مولوی ابراہیم خلیل ایک کامیاب مقرر و واعظ ہی نہیں بلکہ ان کی علمی و ادبی معلومات اور شعری ذوق کی بلندیاں

لاجواب ہیں اور تقریر و بیان کی روانی کا یہ عالم ہے گویا وہ محض خدا کے خوف سے چُپ ہو جاتے ہیں ورنہ وہ بولے ہی چلے جائیں، اسی طرح ان کی تقریر میں قرآن و حدیث کے استدلال کا حُسن ان کا عدیم النظیر کمال ہے۔

میں نے آہستہ سے دریافت کیا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ فرمایا،

"تقریر کرنے"

بس اُن کا یہ فرمانا تھا گویا میرے تقریری حواس جاتے رہے اور میں نے محسوس کیا کہ میں ان ایسے واقفِ اسرار خفی و جلی کے سامنے قیامت تک بھی تقریر نہ کر سکوں گا، لیکن اپنی شہرت کی غیرت سے ان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مولوی صاحب آپ آج میری تقریر تک اٹارسی شہر سے باہر ہی رہنا، لیکن ایک گھبراہٹ تھی جو اُن کی موجودگی سے میرے دماغ پر طاری ہو گئی تھی، اب میں اپنے دل میں لاکھ کہتا تھا کہ مولوی صاحب میری اوّل فوّل سی تقریر پر جلسہ ہی میں اعتراض تھوڑا ہی کرینگے مگر گھبراہٹ کہتی تھی کہ اگر اعتراض کر دیا تو؟

اس لئے بار بار جی میں آتا تھا کہ مولوی صاحب کو علیحدہ لے جا کر اُن کے قدموں پر گاندھی جی کی ٹوپی ڈال کر عرض کروں کہ اے مولوی صاحب خدا کے لئے آپ کسی بہانے سے آج اٹارسی سے باہر چلے جائیے اور بعد میں چاہیں تو آپ

عمر بھر کے لئے اٹارسی ہی میں آباد ہو جائیں، تاکہ میں بغیر گھبراہٹ کے تقریر کر لوں کبھی کبھی دل میں کہتا کہ اگر آج تقریر میں خدا نے شرم رکھ لی تو انشاءاللہ شریف ہوں تو آئندہ کبھی تقریر کے لئے گھر سے باہر نہ آؤں گا، کہ ناگاہ ایک اور مقرر صاحب ہم لوگوں سے ملے اور حضرت طرزی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ:-

"میں چاہتا ہوں کہ ہم تمام مقرر آپس میں تقریر کا ایک ہی راستہ مقرر کر لیں تاکہ ہماری تقریروں میں اختلاف نہ ہو"

میں بات کاٹ کر بولا کہ "آپ کا مطلب؟"

فرمایا۔ "میں چاہتا ہوں کہ یہاں جو شخص بھی تقریر کرے وہ صرف سیرت پر تقریر کرے، سیاسیات پر کچھ نہ کہے، نہ ہندو مسلمانوں کے مسائل پر کچھ بولے"

میں تاڑ گیا کہ یہ بیچارے وارنٹ، گرفتاری، حوالات، چالان، عدالت کی ایک ہزار کے قریب پیشیوں، جرح اور قید بامشقت سے ڈرتے ہیں سیاست سے نہیں، جبکہ رسول گرامی علیہ السلام کی ساری زندگی ہی سیاست ہے، اس لئے میں نے جھک کر عرض کیا کہ:-

"مگر میں تو ایسی ہی تقریر کے لئے آیا ہوں جس کے اثر سے گورنمنٹ کا کچھ نہ ہو تو کم سے کم ہندو مسلم فساد ضرور ہو جائے، تو اس سے جناب کو کیا خوف۔

پھر یہ بتائیے کہ جو مرد عمر میں ایک مرتبہ بھی کسی بھاری نقصان، کسی بھاری تکلیف اور کسی عظیم الشان خطرہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو مرد کہا جائے یا مرزا پھویا لکھنوی؟"

میرے ان الفاظ کا جواب اُن کے پاس کچھ نہ تھا، البتہ میری شرارت کی رگ ضرور بھڑک اٹھی اور میں نے بار بار ایسے فقرے کہنا شروع کر دیئے جس سے مولوی صاحب کو یقین آجائے کہ آج اگر اٹارسی میں ٹھہر گیا تو بجاد ہو کر رہیگی اور میں گرفتار ہو جاؤں گا، خاص مصیبت یہ تھی کہ ہماری قیام گاہ کے منہ کے سامنے ہی یار لوگوں نے جلسہ کا پنڈال بنا دیا تھا جس کی وسعت اور رنگینی سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہزاروں سے کم کسی طرح بھی شریک نہ ہوں گے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس پنڈال میں عورتوں کے لئے ایک "زنانہ" بھی تھا، ان حالات سے میری گھبراہٹ میں خاصہ اضافہ ہو رہا تھا، اور میں اپنے دماغ کو تقریر کی گھبراہٹ سے جتنا پاک کرنا چاہتا تھا ان حالات سے وہ اتنا ہی ڈرتا تھا، حد ہے یا ستم کہ محترم میزبانوں نے شام کے کھانے کا بندوبست بھی اسی پنڈال کے قریب کیا، قسم لے لیجئے جو مارے وحشت کے یاد بھی رہا ہو کہ کیا کھایا؟ اِدھر میری گھبراہٹ کا تو یہ عالم اور اُدھر محترم میزبانوں کا یہ حال کہ وہ غریب اپنے خلوص سے چاہتے تھے کہ

اگر اس وقت ہم تقریر کرنے والوں میں سے کوئی کہے کہ میں اُونٹ کے کباب کھاؤں گا تو شاید یہ شریف میزبان طرابلس کا اونٹ لانے کے لئے تار تو دے ہی دیتے، وقت پر آتا یا نہ آتا، یہ ہماری قسمت تھی، لہٰذا اب مجھ پر ان کی اس خاطر کا اثر بھی یہ ہوا کہ اب جتنے اچھے کھانے کھائے ہیں اتنی ہی اچھی تقریر بھی کرنا ہے ملّا رموزی!

کھانے کے بعد ایک خوشگوار سی جگہ نہایت آراستہ پیراستہ انداز سے آرام کرسیاں ہمارے فیلوے کے لئے لگا دی گئی تھیں، میں ہی تھا جو سب سے پہلے ایک آرام کرسی پر اس شان سے دراز ہو گیا گویا میں ہی سب سے بہتر تقریر کر کے دکھاؤں گا، حالانکہ دل میں خدا یاد آ رہا تھا،

اب خدا جانے آٹھویں یا نویں مصیبت یہ نازل ہوئی کہ مختلف مقامات کے لوگ باگ ہم لوگوں کی ملاقات کو آنا شروع ہوئے، ایک صاحب نے ہمارے تعارف کا ٹھیکہ لے لیا تھا جو سب سے پہلے میرا ہی تعارف کرا دیتے، مگر میں رسمی خلوص اور مروجہ الفاظ کہنے کے عوض ہر ملنے والے کو گھورتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں یہ صاحب مجھ سے زائد قابل تو نہیں ہیں اور میری تقریر کی کمزوریوں کو بھانپ تو نہ جائینگے مگر وہ جو مثل مشہور ہے کہ "اٹارسی میں جو ہے سو ۵۲ گز کا" سوا اللہ کے فضل سے جو صاحب ملتے تھے اچھے خاصے ہی ہوتے تھے، ایک مرتبہ جو میری نظر اٹھ گئی تو

نہری کو دیکھا کہ وہ قدرے قلیل پریشان نہیں تو "پریشان نما" ضرور ہوئے ہیں اس لئے میں نے اُن کو اپنی کرسی کے قریب بٹھا کر ذیل کی گفتگو شروع جو کی تو نہری کے رہے سہے حواس خراب ہونے لگے، مثلاً میں نے کہا کہ:-

"بتاؤ شادی سے قبل تک عورت کے قول فعل پر بھروسہ کیا جائے یا نہیں؟"

پہلے تو آہستہ سے فرمایا کہ پاگل ہو گئے ہو یہ بھی کوئی موقع ہے اس قسم کی بیہودہ گفتگو کا، مگر بعد میں کچھ پُر لطف ہو کر بولے کہ:-

"جی ہاں شادی سے قبل تو بالکل ہی بھروسہ نہ کیجئے اور خدانخواستہ شادی ہو ہی جائے تب بھی بھروسہ نہ کیجئے۔"

اس پر میں نے کہا کہ "آپ عورت کے کردار سے اتنے مشکوک کیوں ہیں"۔ فرمایا۔ "میرا تجربہ ہے جھوٹ تھوڑی کہہ رہا ہوں"۔ اب چونکہ تجربہ کا سوال تھا اس لئے مجھے مجبوراً قایل ہونا پڑا، مگر میں نے ہمّت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، اور کہا کہ:-

"اچھا بتائیے کہ یہ لڑکیوں کے مدرسوں کی اُستانیاں مارے ریشمی لباس کے مدرسہ میں پری جمال صابون بن کر کیوں جاتی ہیں"؟ فرمایا "چھچھورے پن کی وجہ سے"۔

میں نے کہا۔ "اچھا بتائیے فطرتاً لڑکا نیک ہوتا ہے کہ لڑکی؟"

فرمایا۔ "نیک تو دونوں نہیں ہوتے، البتہ بدی کا موقع جس کو مل جائے"

میں نے کہا۔ "کہ عشق و محبت کا معاملہ خوبصورتی کی کس حد سے شروع ہوتا ہے؟"

فرمایا۔ "خوبصورتی کو عشق میں دخل نہیں، بلکہ عشق پیدا ہوتا ہے قریب ہونے اور قریب رہنے سے"

اس پر میں نے بات کاٹ کر کہا کہ "پھر یہ عشق تو نہ ہوا" فرمایا۔ "ہرگز نہیں، بلکہ بے بسی کا نام عشق ہے اور بے بسی کا نام ہی سرکاری ملازمت ہے"

واضح رائے عالی ہو کہ اس عرصہ میں ملنے والے برابر آ رہے ہیں، مگر میں مہری سے خواہ مخواہ ہی گفتگو کے ذریعہ اپنے خوف کو کم کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں، کہیں کہیں وعلیکم السلام کہکر اور کبھی کبھی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ تک جواب کو لمبا کر کے پھر مہری سے مخاطب ہو جاتا تھا، مگر گیارھویں یا دسویں مصیبت تھی میری عالمگیر شہرت، اس لئے جو آتا تھا میرے ہی مصافحہ سے لپٹ کر رہ جاتا تھا، اور میں تھا کہ پوری بے مروّتی اور بے توجہی سے ان ملنے والوں کی باتیں کاٹ کاٹ کر مہری سے مخاطب ہو جاتا تھا، اس لئے میں نے

پھر مہری سے سوال کیا کہ "اچھا بتاؤ محبت کے معاملہ میں مرد باوفا ہے یا عورت"؟ فرمایا "حالات ہی باوفا بناتے ہیں اور حالات ہی بے وفا، یعنی اگر عورت کے حالات اجازت اور موقع دیتے ہیں تو اس سے زاید باوفا مرد نہیں لیکن اگر اس کو اپنی چوری پکڑے جانے کا اندیشہ ہے تو اس کے برابر بے وفا کوئی اور نہیں"

اس پر میں نے کہا کہ مولانا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو گذشتہ زمانہ میں لڑکی پیدا ہونے پر اس کو جلا دیتے تھے اور لڑکے کو پرورش کرتے تھے،

اتفاق سے یہ واقعہ نکلا یعنی حضرت مہری اپنے گھر کے لوگوں سے کسی قدر ناراض تھے، اس لئے قدرے بھنا کر بولے کہ "جی ہاں یہی سہی مگر میرے تمام جوابات صحیح ہیں، اب یہ اور بات ہے کہ آپ کو کوئی باوفا مل گئی ہو تو آپ اپنی شاعری سے اس کی تعریف کے پل باندھ رہے ہیں کہ اس موقع پر گفتگو کے انداز کو تاڑ کر حضرت مولانا ابراہیم خلیل نے مجھ سے غزل سنانے کی فرمائش کی، میں خدا سے چاہتا تھا کہ میری ہونے والی تقریر کی گھبراہٹ کا کوئی رخ بدل دے، اس لئے میں نے بغیر لکھنوی تکلف کے غزل سنائی، اس پر اٹارسی کے ملاقاتی حیران ہوئے کہ میں غزل کہنا بھی جانتا ہوں، جی میں تو آیا کہ کہدوں کہ بس تو اب مجھ سے تقریر کا کام نہ لیجئے

مگر میں کرایہ خرچ کر چکا تھا تقریر ہی کے وعدہ پر، اس لئے مقدمہ چل جانے کے خوف سے خموش رہا، لیکن بڑی حسرت سے دیکھ رہا تھا کہ تقریر کے خیال سے میرا دل تو ڈوبا جا رہا تھا لیکن میرے ساتھیوں کے چہرے کی رونق بڑھ رہی تھی، اس لئے مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے آہستہ سے فہری سے کہا کہ "بھئی فہری تم جانتے ہو کہ مجھے مارے بیوی نمبر ۲ کے کبھی تقریر کا موقع نہیں ملتا، اس لئے بتاؤ کہ میں تقریر میں اگر اول فُول ہو جاؤں تو کیا کروں؟"

بے ساختہ بولے۔ "لوگوں سے درود شریف پڑھنے کا کہکر خود کو سنبھال لینا"

میں نے کہا جو اس کے بعد بھی کچھ نہ بن آئے"، تو کہا "کھانسی سے کام لینا"

میں نے کہا۔ اگر اس کے بعد بھی کچھ نہ بن آئے"؟ تو فرمایا۔ "لگا تار پانی پیتے رہنا"

میں نے کہا۔ "اس کے بعد"۔؟ فرمایا۔ "فرضی علالت کا بہانا کر کے بیٹھ جانا"

میں نے کہا۔ "اگر اس کے بعد بھی لوگوں کا اصرار بڑھے تو؟" فرمایا۔ "مثنوی مولانا روم گانا شروع کر دینا" میں نے کہا۔ "یہ مجھے یاد نہیں"؟ تو بھنا کر بولے کہ "پھر گھر سے تقریر کے لئے نکلے ہی کیوں تھے؟"

(۴)

غیر مقرر اور جن کو تقریر کا شوق تو ہو مگر کبھی تقریر کرنا نصیب نہ ہوا ہو، یا

وہ خود کو بہترین مقرّر تصور کرتے ہوں اور بیوی پر بھی اپنی تقریر کا رعب ڈال چکے ہوں مگر کبھی تقریر کرنا نصیب نہ ہُوا ہو، یا کبھی تقریر کی ہو تو فقط خوشامد، چاپلوسی اور دعاگوئی کی قسم کی، اُن کے دماغ میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ بعض مقرر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی تقریر شروع کرنے سے دس منٹ پہلے تک بجائے تقریری نکات سوچنے کے یہ سوچا کرتے ہیں کہ :-

"اور اگر اس مرتبہ کی بارش میں میرا نیم خام سا مکان بالکل ہی گر گیا تو کیا ایڈیٹر صاحب "ندیم" بنوا دیں گے؟"

"اچھا تو اس کی تعمیر کے لئے لالہ ساون رائے صاحب سے قرض لوں تو یہ تو ممکن ہے مگر وہ بغیر زیور کے اگر نہ دیگا تو پھر؟"

"اور وہ جو شکورا قصائی کے اس مرتبہ بھی تین روپیہ باقی رہ گئے ہیں تو؟"

"خیر سائیکل تو اب نہیں کل درست ہو جائے گی مگر یہ جو بارش سر پر ہے اور چھتری ندارد تو؟"

"اور ہاں وہ اچھی یاد آئی کہ لڑکے نمبر ۲ کو مدرسہ میں داخل کرنا ہے تو؟"

"لاحول ولا قوۃ اور وہ جو پرسوں میں نے بیوی کو دس روپیہ دینے کو کہا تھا وہ؟"

غرض ان سے بھی سوا خیالات کا ہجوم اس وقت تک رہتا ہے جب تقریر کے لئے جناب صدر چلا کر فرماتے ہیں کہ "جناب ملّا رموزی صاحب تشریف لائیں"۔

شاید اسی قسم کے مقرر کو درجہ اوّل کا مقرر تسلیم کیا گیا ہے، جو تقریر سے کچھ پہلے بھی نہیں سوچتا کہ مجھے کیا کہنا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تقریر شروع کرونگا تو دریا بہا دوں گا، اور بعض وہ ہوتے ہیں جو تقریر سے پہلے لاکھوں تقریری نکتے سوچتے سوچتے اور یادداشتیں لکھتے لکھتے مرجاتے ہیں اور اتنا سوچنے پر بھی جب بولتے ہیں تو ایسا کہ لڑکے بھی قہقہہ لگائیں اور لڑکیاں بھی،

مجھے بٹھایا بھی تھا تو کہاں کہ جلسہ گاہ کے بالکل منہ پر، اس لئے میں دیکھ رہا تھا کہ جلسہ گاہ بھرتی جا رہی ہے اور وہ بھی کھچا کھچ، مردوں کی فوجیں جس جوش و خروش سے جمع ہو رہی تھیں عورتوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ ملّا رموزی کی تقریر سنتے ہوئے اگر ماری بھی گئیں تو شہید ورنہ غازی،

اس لئے اب حاضرین سے جلسہ گاہ اور عورتوں سے جب "زنانہ" لبریز ہو گیا تو میری وحشت کی حد نہ رہی کہ نظام عمل کے موافق جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی، اور اٹارسی کے ایک جلیل القدر رئیس التجار جلسہ کے صدر بنائے گئے

اور اعلان ہُوا کہ حضرت قبلہ مولانا ابراہیم خلیل مولوی فاضل تقریر فرمائیں گے، ممدوح کے بعد حضرت مولانا طرزی مشرقی، اور سب سے آخر میں حضرت ملّا رموزی صاحب کی تقریر ہو گی،

جلسہ گاہ کافی سے زائد دلربا، آراستہ، رنگین، دل کشا، دل کش، دلنواز، دلفریب، نظر فریب، نظر آرا، نظر پرور، نظر نواز، جاذبِ نظر، اور نظر افروز تھی اور اُوپر سے بجلی کی روشنی سے جھلمل بھی اور جگمگ بھی، اس لئے معزز مسلمان بھی صاف نظر آ رہے تھے اور محترم ہندو بھی، عیسائی بھائی بھی اور پارسی بھائی بھی، اب جو اتنے رعب اور شان کے جلسہ میں تقریر کرنے کا مجھے خیال آیا تو بے ساختہ جی چاہا کہ کاش میں بیوی سے کہکر آتا کہ جیسے ہی کہ میری تقریر کا وقت شروع ہو تمہارا ایک جھوٹا تار مجھے اس مضمون کا عین جلسہ میں پہنچ جائے کہ :-

"حالت خراب ہے صورت دیکھنا ہو تو پہلی گاڑی سے آؤ"

پس اگر بیوی کا کوئی ایسا تار مجھے مل جاتا تو تقریر سے بھی بچ جاتا اور لوگ باگ اُلٹی ہمدردی کرتے ہوئے مجھے اسٹیشن تک رخصت کرنے آتے، مگر حافظہ کی کمزوری کہ میں بیوی سے ایسا کہنا جو بھول گیا تھا تو اب تقریر سے انکار ناممکن تھا،

حضرت مولانا ابراہیم خلیل اور حضرت طرزی تو جلسہ گاہ میں جا چکے ہیں مگر میں ایک پلنگ پر دراز ہوں، میرے پاس بمبئی کے ایک ایسے تاجر آرام کرسی پر دراز ہیں جنہیں تقریریں سننے سے زیادہ گیارہ بجے کی ریل سے ناگپور جانا عزیز ہے اس لئے وہ دل ہی دل میں مجھ سے نفرت کر رہے تھے اور میں اُن سے، کہ حضرت مہری تشریف لائے اور جُھنجلا کر فرمایا کہ:-

"اماں کیا تقریر نہ کروگے؟"

حضرت مولوی حافظ محمد حیات مہری رات کی تاریکیوں میں میرے رفیق طریق اور دن کو میری جان کے دشمن کی طرح کے دوست ہیں، آپ کیا سمجھے؟ یعنی جناب مہری میرے ہم مکتب ہیں، وسعت علم و نظر، نقد و نکتہ دانی اور شعر و انشا میں یہ میرے شاگرد بھی ہیں اور اُستاد بھی، یعنی اگر بحث میں وہ مجھ سے دب گئے تو میں اُن کا اُستاد، ورنہ میں شاگرد اور وہ اُستاد، نیک اطوار، پاک کردار، داڑھی سیاہ مونچھیں دراز، نمازی، پرہیزگار اور میری حرکات سے ہمیشہ بیزار، پھر بھی میرے جاں نثار، میں حکومتوں اور گورنمنٹوں کے حق میں جتنا سخت، باغی، فتنہ پرداز، انارکسٹ اور بمباز، یہ اتنے ہی نمک حلال اور دعاگو، آج تک اگر کوئی گناہ کبیرہ کیا ہے تو یہ کہ ایک صابر و شاکر مولوی صاحب کے دوست

رہے ہیں، اس لئے ترقی پسند ہونے پر بھی جس درجہ میں بٹھا دیجئے خوش اور شکر گذار لیکن ذوق کی لطافت نے مجھے جو غلام بنا لیا ہے تو اب مولوی صاحب سے کنارہ کش ہونے پر تیار ہیں، ان کا تخلص میرا ہی وضع کردہ ہے اس لئے بس تبرکاً لئے پھرتے ہیں مگر شعر نہ کہا ہے نہ کہیں گے، البتہ میرے ہر مصرع پر اصلاح دینے سے چوکتے نہیں، اب ظاہر ہے کہ ان حالات پر اُن سے زائد کون ہو سکتا تھا جس کو مخاطب کر کے میں تقریر کی طرف سے اپنا خیال ہٹا لیتا، لہٰذا میں نے اُن سے کہا کہ :-

"جی ہاں تقریر تو کرنا ہی ہے، مگر یہ تو بتائیے کہ انسان خوش پوشاک اور خوش لباس کب سے ہوتا ہے، بچپن یا جوانی میں؟"

فرمایا۔ "بڑھاپا شروع ہونے پر، اسی لئے دیکھا ہوگا کہ خضاب لاجواب کے استعمال اور نوک پلک سنبھال کر سُرمہ لگانے میں جتنے مستعد بوڑھے ہوتے ہیں نوجوان نہیں۔"

میں نے کہا۔ "کیوں؟"

فرمایا۔ "بڑھاپے کے لئے طے کیا گیا ہے کہ وہ موت کی نشانی ہے، اور انسان فطرتاً موت سے ڈرتا ہے، اس لئے بڑھاپے کی علامات چھپانے اور خود کو جوان تصور کرنے کے شوق میں بوڑھے ہمیشہ رنگیلے نظر آئیں گے اور نوجوان مست۔"

میں نے کہا۔ "نوجوان کیوں آراستہ نہیں ہوتے"؟

فرمایا کہ "ان کی جوانی کی آرائش اُن کے خیال وعمل کا جوش ہوتا ہے نہ کہ لباس کی نفاست، البتہ کالج زادے اس ضابطہ سے یُوں بری ہیں کہ وہ صحیح معنی میں جوان ہی نہیں ہوتے، اسی لئے اُن پر مستی، جوش، دیوانگی اور جنون کے عوض فیشن کی نفاستیں غالب رہتی ہیں"۔

میں نے کہا اچھا بتایئے کہ.......

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ بات کاٹ کر بولے۔ "میاں یہ سوالوں کا وقت ہے یا تقریر کا"؟

اب تو مجھ سے بھی نہ رہا گیا اور میں نے صاف صاف کہدیا کہ،۔

"پھری میری عزّت تمہاری عزّت ہے اور تمہاری عزّت میری عزّت، بات یہ ہے کہ میں تقریر کرنے سے جیسا اس مرتبہ گھبرایا ہُوں شاید ہی کبھی گھبرایا ہوں"؟

"تو اس کا سبب"؟ جھنجلا کر فرمایا،

میں نے کہا، "بات یہ ہے کہ گھر پر نومسلموں کی سی زندگی بسر کرتا ہُوں، کبھی مجھے تقریر کا موقع ملتا ہو تو تم ہی بتادو،" کہ وہ صدر صاحب نے اعلان فرمایا کہ "حضرت مولانا طرزی!" دم سا نکل گیا کہ اَب آئی میری باری! کہ وہ چند

صاحبان تشریف لائے اور فرمایا کہ "حضرت صدر جناب کو یاد فرماتے ہیں"

اب میں اس طرح جلسہ گاہ کی طرف چلا گویا پھانسی کے وقت بیوی سے آخری گفتگو کرنے جا رہا ہوں، صدر نے مجھے شانہ سے شانہ ملا کر بٹھایا، میں اس وقت گاندھی ٹوپی پہنے تھا یا اوڑھے تھا، اس لئے جلسہ کے تمام محترم ہندو حاضرین ناظرین نے مجھے گھورنا شروع کر دیا،

اب میں نے بھی طے کر لیا کہ تقریر کر کے بدنام ہونا تو یقینی ہے لہذا اب پریشان ہونے سے حاصل، لہذا میں نے بھی بیٹھے بیٹھے جلسہ پر رعب ڈالنا شروع کر دیا، مثلاً :-

کبھی اپنے سامنے بولنے والے مقرر کی طرف اس عالمانہ پندار سے دیکھتا گویا یہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں سب غلط،

کبھی لوگوں کی طرف اس انداز سے دیکھتا گویا کہہ رہا ہوں کہ جب میں تقریر کروں گا تو بھول جاؤ گے مولانا ابو الکلام آزاد کو،

کبھی بے وجہ بھی پانی منگا کر پی لیتا کہ شاید تقریر میں اٹک کر پانی پینا پڑے اس لئے دکھا دوں کہ میں تقریر سے پہلے بھی تو پانی پی رہا تھا،

کبھی تقریر کرنے والے کی طرف دیکھ کر اس طرح گردن ہلاتا گویا وہ جو کچھ

فرما رہے ہیں میں اس سے زائد جانتا ہوں "

کبھی خواہ مخواہ یوں کھانستا کہ لوگ میری آواز کے کرارے پن سے تاڑ جائیں کہ جب تقریر کروں گا تو زمین ہل جائیگی،

کبھی تقریر کرنے والے کی طرف اس طرح بھی دیکھتا گویا وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میرا ہی سکھایا ہوا کہہ رہے ہیں،

یہ لیجیئے وہ حاضرین کی طرف سے صدر کے نام پرچہ آیا کہ :۔

" لوگ دور دور سے حضرت ملا رموزی کی تقریر کے لئے آئے ہیں انھیں کھڑا کیجئے "

صدر نے یہ پرچہ مجھے دیا، جان نکل گئی، پسینہ آگیا، جو اس نے جواب دیدیا، ایک آدمی کے عوض چار چار نظر آنے لگے، پرچہ کا جواب کیا دیتا کہ وہ مقرر صاحب نے خود ہی " برحمتک یا ارحم الرحمین " کہدیا اور صدر جلسہ نے میرا تعارف شروع فرمایا۔

اس وقت جی چاہنے لگا کہ جلسہ کو مخاطب کر کے کہدوں کہ :۔

" بھائیو اور بہنو! وہ جو آپ نے آج تک ملا رموزی کی تعریف سنی تھی یہ سب سی آئی ڈی والوں کی شرارت تھی، واقعہ یوں ہے کہ وہ غریب کچھ بھی نہیں جانتا، اسی لئے وہ غریب خود حاضر نہ ہوسکا، میں ملا رموزی کا خالہ زاد بھائی ہوں، مجھے بھیجا ہے، مجھ سے جو کچھ بن آئیگا وہ عرض کروں گا کہ معاً خیال آیا کہ او ملا رموزی گورنمنٹ

سے نہیں تو رعایا رسے تو ڈر کہ تیری دس پانچ تصویریں بھی تو شائع ہو چکی ہیں، اس لئے مفت میں کیوں جھوٹا بنتا ہے، لہٰذا خاموش رہا اور صدر کے تعارف کے بعد تقریر کے لئے کھڑا ہوا۔

پہلے تو دیکھ رہا تھا کہ لوگ جلسہ سے تنگ آکر باہر جا رہے ہیں مگر اب کیا دیکھتا ہوں کہ غول کے غول جلسہ گاہ میں باہر سے آ رہے ہیں کہ میں نے چلّا کر کہا:۔

"جناب صدر و حاضرین جلسہ!"

کہ مجھے مارے گھبراہٹ کے ایسا محسوس ہوا گویا میں کہہ گیا کہ:۔

"او بھائی صدر یہ کیا کرنا ہے جو مجھ سے تقریر کو کہتا ہے، میرا تو ویسے ہی دم نکل رہا ہے،" اب جو ایسا محسوس ہوا تو جی چاہنے لگا کہ معافی مانگ لوں کہ منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ:۔

"سفر کی تھکن سے میں زیادہ عرض نہ کر سکوں گا۔"

کہ پھر خیال آیا کہ لوگ کیا کہتے ہوں گے جب سفر کل ہم ڈیڑھ گھنٹہ کا ہے، اس اُلجھن سے قریب تھا کہ میرے لہجہ پر کپکپی طاری ہوتی کہ میں نے کہا:۔

"اچھا درود شریف تو پڑھیے۔"

جلسہ گاہ ہلنے لگی درود کے شور سے اور میں سمجھا کہ میری تقریر کا رنگ جم گیا،

اس لیئے میں نے پھر کچھ کہا مگر اٹک گیا، تو میں نے اس طرح پانی منگایا گویا جب تک پانی نہ پی لوں اگر بولا تو مرجاؤں گا، اس عرصہ میں میں نے تقریر کو دل ہی میں تیار کیا، لوگ بھی مستعد تھے، کہ مُنہ سے نکلا نہیں کہ پانی، کہ بغل ہی سے ایک صاحب نے گلاس بڑھا کر فرمایا یہ لیجئے، اب فرمایئے کہ میں اتنی تیزی سے کتنی تقریر تیار کرتا، اس لیئے پانی کا گلاس مُنہ سے لگا کر تقریر سوچی مگر کب تک کہ میں نے پھر تقریر کی، اور ایک مرتبہ جلسہ گاہ پر نظر ڈالی تو ایسا محسوس ہونے لگا گویا تمام جلسہ میری تقریر کے غلط ہونے پر ہنس رہا ہے، میں نے پھر نظر ہٹا کر تقریر کی اور پھر جلسہ والوں کو دیکھا، تو محسوس ہونے لگا کہ تقریر کی بیہودگی اور پھیکے پن سے لوگ تنگ آکر جلسہ سے جا رہے ہیں، کہ میں نے پھر پانی مانگا اور اس مرتبہ جو غور سے جلسہ والوں کو دیکھا تو اچھے خاصے جمے جمائے بیٹھے ہوئے تھے، اس سے میرا دل اور ٹوٹ گیا، اس لئے میری تقریر یوں شروع ہوئی کہ جو کچھ پہلے سے سوچا تھا وہ تو سب گیا بھاڑ میں، خدا جانے کیا کیا کہنے لگا، دماغ پر جب زور دیتا کہ وہ فلاں سوچی ہوئی بات یاد آجائے تو یاد آتی بھی تھی تو اس طرح گویا پھر بھول گیا، لہٰذا پڑھیئے درود شریف!

تنگ آکر میں نے طے کیا کہ تقریر کو رواں دواں اور دھواں دھار بنادوں شاید اس طرح روانی آجائے تو اس خیال کا حشر یہ ہوا گویا میں اس طرح تقریر کرنے لگا کہ :۔

محترم حاضرین!

وہ جو سیرت پاک کے جلسہ میں......اخ......اخ......اخو،
اخ تھو، مجھے تقریر کی عزت دی ہے، اُنہہ اُنہہ، اخو، اخ......اخ، پانی لائیے
تو میں اس کے شکریہ کے لئے اپنے پاس الفاظ نہیں پاتا،

بھائی مسلمانو!

میں کہتا ہوں کہ اب ہندو مسلم فساد چھوڑ دو، ورنہ حشر کے دن وہ دیکھئے
ایک امام کا مقولہ ہے، اخ، اخ، اخو اُنہہ، اُنہہ، درود شریف پڑھیے، ذرا چلا
کر، تو گویا آپ نے سمجھا بس تو یوں سمجھئے اور سمجھئے کیا وہ حدیث شریف میں آیا
ہے، اُنہہ اُنہہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ دیکھئے میں اس وقت اس حدیث پاک کو بھول گیا
خیر مطلب یہ ہے کہ ذرا شور نہ کیجئے، میری طبیعت ویسے ہی خراب ہے، صرف آپ
بھائیوں کے اصرار پر بول رہا ہوں، اگر ناگوار ہو تو تقریر ہی کو ختم کر دوں، کہ آوازیں
آئیں "نہیں نہیں بولے جائیے"۔

لیجئے اب پھر تقریر کرنا پڑا، اور میں نے ہمت کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
کہ جہنم کی آگ، بس اتنا ہی کہا ہو گا کہ جلسہ پر اُلٹا سناٹا چھا گیا، اور میں ڈر گیا
کہ اگر جلسہ والے بالکل ہی خموش ہو گئے تو میری تقریر کا ہر عیب صاف صاف سمجھ میں آجائیگا

اس لئے میں نے جہنم کو کاٹ کر جنت کا تذکرہ شروع کیا، تو سبحان اللہ کے نعروں سے میں خود گونج اٹھا، اور "زنانہ" سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی، اب مجھے ہوش آیا کہ او کمبخت خود کیوں نہیں رونے کی آواز بنا لیتا، تا کہ سارا جلسہ رونے میں مصروف ہو جائے اور تیری تقریر کا عیب چھپ جائے، اس لئے میں نے تقریر کا رخ رونیوالے حالات کی طرف پھیر کر اور رونے کی آواز بنا کر کہا:۔

"آہ! کبھی ہم بھی بادشاہ تھے، مگر آج ہماری ماں بہنوں کے پاس زیور تک نہیں، کہ جلسہ میں نیم کہرام کی سی حالت پیدا ہو گئی، کہ میں نے کہا کہ اور بھائیو! اب ہم کو بھیک بھی نہیں ملتی، کہ اب کیا تھا جس طرف دیکھئے تقریر کا اثر ہی اثر تھا، کہ میں پھر اس طرح کھانسا گویا میں مسلمانوں کی ہمدردی میں مرا جا رہا ہوں اور میرے حلق میں کھانسی اٹک گئی ہے، کہ جناب صدر نے میری طرف پانی کا گلاس بڑھایا میں تو خدا ہی سے چاہ رہا تھا کہ میری گھبراہٹ چھپانے کا کوئی سبب پیدا ہو جائے۔"

یہاں تک کی میری تقریر ویسی ہی تھی جیسی کہ مسلمانوں کے واعظ کرتے ہیں، اور مسلمان ایسی ہی رلانے والی تقریروں سے خوش ہوتے ہیں، لیکن اب میرے قدم ذرا جم سے گئے تھے، اس لئے میں نے ایک مرتبہ کھانس کر عورتوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ:۔

"ماں بہنو! خدا کے لئے مولوی، فقیر، گنڈے، تعویذ کی غلامی سے بچو اور علم حاصل کرو، تو خود مولوی ہو جاؤ گی، اور ہاں نئی بہو کو چاہئے کہ وہ خرانٹ ساس کے خلاف ہر وقت بغاوت کرتی رہے، اس لئے کہ پرانے زمانہ کی ساس اور سسر نئے زمانہ کی بہو بیٹیوں کے حق میں جہنم بنی ہوئی ہیں، لہذا جو بہو کہ ساس کو سسر سمجھتی ہے اور اس کی ہر اوندھی سیدھی سنتی ہے اور تنہائی میں روتی ہے، مرتے وقت اس کے چہرہ پر نہ نور ہوگا نہ ایمان کی علامت!"

میں نے ہندو مسلم فساد پر کہا کہ :-

"مسجد کے سامنے باجا اور گائے کی لڑائی اگر تم خدا کے واسطے لڑتے ہو تو لڑتے وقت اپنے اپنے مذہبی اماموں سے یہ بھی دریافت کر لیا کرو کہ کس حد تک لڑیں، اور باجے اور گائے پر لڑنے کے لئے خود خدا نے کن ہتھیاروں کی اجازت دی ہے،

ورنہ یاد رکھو کہ مسجد اور گائے پر تمہارے ذاتی جوش سے جو بھی مارا جائیگا وہ خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ صرف تمہارے جوش کا نتیجہ ہوگا اور تمہارے حشر کا فیصلہ بجائے خدا کے پہلے حوالاتوں میں موٹے موٹے کوتوال اور پھر ہائیکورٹ والے کرینگے، اب دعا کرو بھائیو کہ خدا ایمان دے اور عاقبت بخیر کرے۔"

ان جملوں پر جس زناٹے سے آمین کا شور ہوا ہے دل جانتا ہے اور
بس، التجا ہے کہ اب کسی جگہ مجھے تقریر کے لئے نہ بلایا جائیگا۔

ادارہ ادبیات اردو

سنہ ۱۹۴۰ء